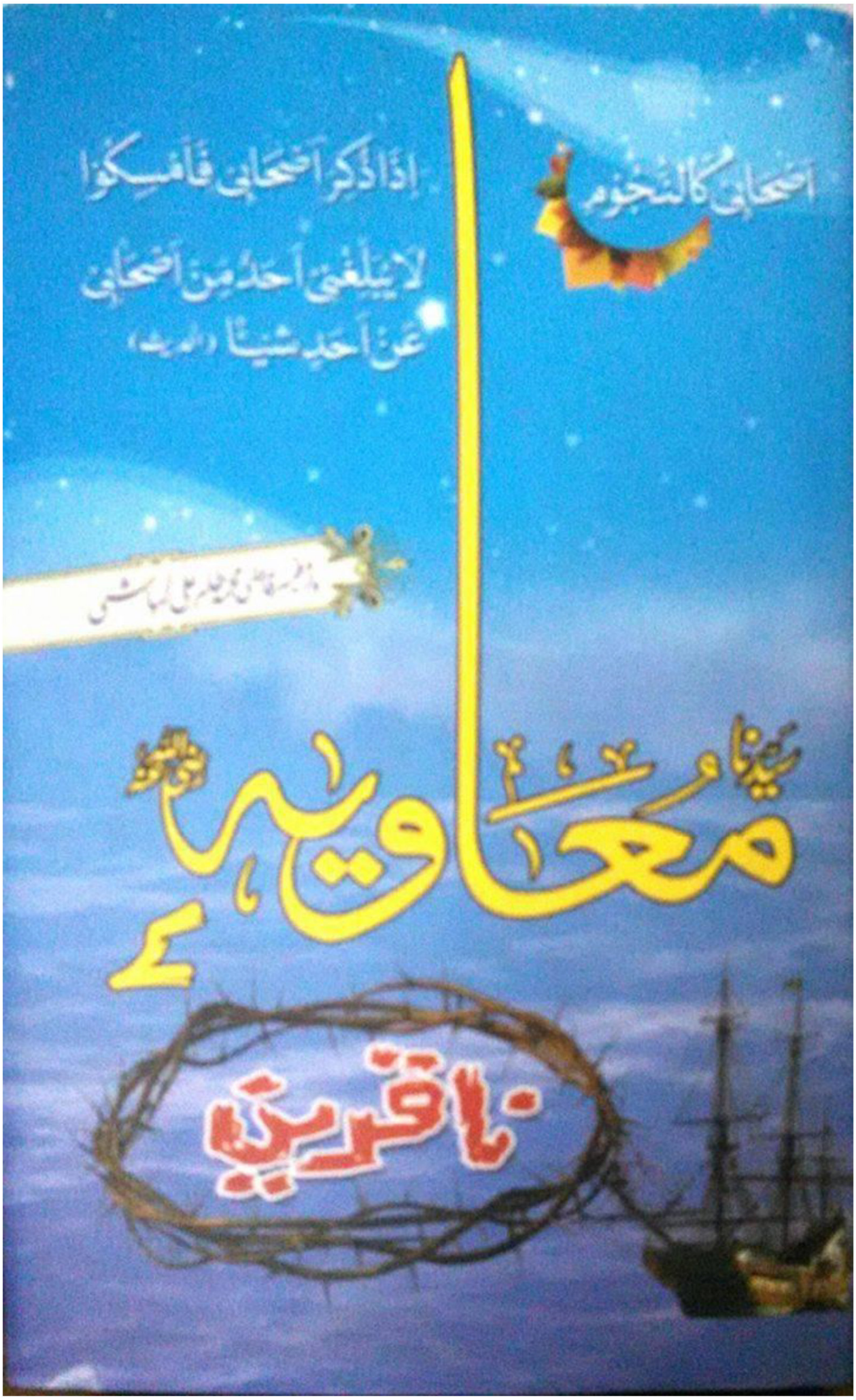


اصحابی کالنجوم
اذا ذکر اصحابی فامسکوا
لا یبلغنی احد من اصحابی
عن احد شیئا (الحدیث)
سیدنا معاویہ
کے
ناقدین

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

کے

ناقدین

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

کتاب:	سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین
مؤلف:	پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی
طبع اول:	2013ء
طبع دوم:	اپریل 2016ء مع اضافات
ضخامت:	464 صفحات
کمپوزنگ:	محمد صابر حیدری
	0321-9814745
ناشر:	قاضی چن پیر الہاشمی اکیڈمی مرکزی جامع مسجد سیدنا معاویہؓ چوک حویلیاں۔ہزارہ
زرتعاون:	-/800 روپے

ملنے کے پتے:

۱۔قاضی چن پیر الہاشمی اکیڈمی۔

مرکزی جامع مسجد سیدنا معاویہؓ چوک حویلیاں۔ہزارہ

۴۴۔ شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا صاحب

پاکستان کے دینی، تحریکی اور علمی حلقوں میں مولانا اللہ وسایا صاحب کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے بلا شک و شبہ روحِ رواں ہیں۔ ''احتساب قادیانیت'' کی تکمیل یقیناً ان کا ایک اہم کارنامہ ہے۔ عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے سلسلہ میں ان کی ''مفید، مثبت، تعمیری، تحریری، تقریری اور تحقیقی'' کاوشیں بھی عیاں ہیں۔

''انسان'' خطا کا پتلا تو ہے ہی مگر وہ جب اپنے مخصوص دائرے سے باہر نکلے گا اور دوسرے شعبوں کے بارے میں بھی ''ماہرانہ'' رائے دے گا یا اپنے ہی شعبہ میں مطالعہ اور تحقیق کے بغیر تحریراً یا تقریراً اظہارِ خیال کرے گا تو اس سے صرف غلطی ہی نہیں بلکہ ''غلطا'' بھی سرزد ہوگا۔ ''غلطا'' کی ''اصطلاح'' بھی موصوف کی اپنی ہی وضع کردہ ہے۔ (ماہنامہ لولاک مارچ/اپریل ۲۰۱۱ء ص ۵۲)

اسی طرح کا بلکہ اس سے کئی گنا بڑا، ایک ''غلطا'' ان سے اس وقت سرزد ہوا جب انہوں نے اکتوبر ۲۰۱۳ء کے ''لولاک'' میں ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کا توہین بلکہ تکفیر صحابہ پر مبنی ایک پرانا اور بدبودار مضمون گلاب کے پھولوں میں سجا کر شائع کیا۔

''لولاک'' کے مذکورہ شمارے میں کل پندرہ عنوانات فہرست میں دیئے گئے ہیں جن میں سے صرف چار عنوانات کا ٹائٹل پر ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں سے ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کے توہین صحابہ پر مبنی انتہائی دل آزار، متعفن اور بدبودار مضمون ''واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر___ کا تجزیہ'' کو خاص طور پر ''ہائی لائٹ'' کر کے ''گلاب کے پھولوں'' میں سجا کر قارئین کو اس کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں مولانا اللہ وسایا صاحب نے مضمون کے بعض مقام قلم زد بھی کئے اور ایک آدھ مقام پر جلی عنوان بھی قائم کیا (جو اصل مضمون میں نہیں تھا) اس سے موصوف کی مضمون کے ساتھ نہ صرف ذاتی دلچسپی اور قصد و نیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے بلکہ بعد میں ان کے ''معصومانہ اعتذار'' کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے۔

یہی نہیں بلکہ موصوف نے اسی زیر بحث شمارہ کے اداریہ (کلمۃ الیوم) میں قارئین کو یہ نوید بھی سنائی کہ ''قارئین تک یہ شمارہ (سالانہ ختم نبوت) کانفرنس (منعقدہ ۲۵،۱۴ اکتوبر ۲۰۱۳ء) سے قبل پہنچ جائے گا اور آپ سب اس کو پڑھ کر کانفرنس پر پہنچ جائیں گے'' (ماہنامہ لولاک۔ اکتوبر ۲۰۱۳ء ص ۵)

موصوف نے محرم ۱۴۳۵ھ کی آمد سے ایک ماہ قبل بالکل غیر ضروری طور پر ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کا ''غلیظ'' مضمون ختم نبوت کے ترجمان رسالہ میں اپنے حسب ذیل تعارفی کلمات کے ساتھ شائع کیا:

واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر.....کا تجزیہ

یہ کتاب یزیدیت کی پنیری کا نیا گملہ ہے۔

مولانا عبداللہ عباس ندوی

(لکھنؤ میں مولانا محمد منظور نعمانی کے صاحبزادہ نے ''واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر'' لکھی۔ اس پر مولانا ابوالحسن علی ندوی کے حلقہ کے ایک صاحب نے تبصرہ لکھا جو ریکارڈ میں محفوظ کرنے کے لئے پیش خدمت ہے۔ یہ دارالعلوم کے پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنؤ ۱۰ مارچ ۱۹۹۲ء سے ماخوذ ہے۔ ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ ادارہ)

مذکورہ تمہیدی اور تعارفی کلمات کے بعد از صفحہ نمبر ۱۹ تا ۲۵ یعنی پورے سات صفحات میں ڈاکٹر صاحب کا مضمون نقل کیا گیا ہے۔

مولانا اللہ وسایا صاحب نے توہین صحابہ پر مبنی اس بدبودار مضمون کو اس کی اشاعت اولین کے اکیس سال بعد ''ریکارڈ'' میں محفوظ کرنے کے لئے پورے اہتمام کے ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا: ''ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں'' کا ''نوٹ'' لکھ دینے سے صحابہ کرامؓ کی توہین اور بے ادبی میں کوئی ''تخفیف'' واقع ہوجاتی ہے؟ کیا ادارہ (جو صرف موصوف خود ہیں) اس توہین آمیز مضمون کی اشاعت پر عنداللہ وعندالناس بری الذمہ قرار دیا جاسکتا ہے؟

اگر بالفرض .....موصوف یا ادارہ کا زیر بحث مضمون کے مندرجات کے ساتھ اتفاق نہیں تھا تو پھر اسے کس کے ''ریکارڈ'' میں محفوظ کرنے کے لئے ''لولاک'' جیسے مذہبی رسالے میں شائع کرایا گیا؟ کیونکہ موصوف یا ''ادارہ'' کے ریکارڈ میں تو پہلے سے ہی محفوظ تھا۔

موصوف کو اس بات کا خدشہ تھا کہ اکیس سال پرانا مضمون (جو صرف اور صرف لکھنؤ میں شائع ہوا تھا) جس سے پاکستان کے مسلمان مسلسل ''محروم'' چلے آرہے تھے اور ''خواص'' کے ذہن سے بھی محو ہوگیا ہوگا لہٰذا اسے ''تازہ'' کرنے اور ''ریکارڈ'' میں محفوظ کرنے کے لئے دوبارہ شائع کرنا ضروری ہے۔

اس سلسلے میں موصوف کی ''ٹائمنگ'' (یعنی محرم سے ایک ماہ قبل) یقیناً قابلِ داد ہے کیونکہ ۱۵ نومبر ۲۰۱۳ء ۱۰ محرم ۱۴۳۵ھ کو دارالعلوم تعلیم القرآن کا سانحہ رونما ہوگیا۔

یہ ملحوظ رہے کہ دارالعلوم تعلیم القرآن ''اشاعت التوحید والسنۃ'' کا مرکز ہے اور اس جماعت کو

''پتھری ویزیدی'' کے ناموں سے بھی مطعون کیا جاتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل وضاحت ہے کہ ''تعمیر حیات'' میں ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کے مضمون کا عنوان یہ تھا:

واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر۔
تعمیر حیات کا تبصرہ
از قلم مولانا عبداللہ عباس ندوی

مگر اس کے برعکس مولانا اللہ وسایا صاحب نے ماہنامہ لولاک میں تعمیر حیات لکھنؤ (۱۰ مارچ ۱۹۹۲ء) کے حوالہ سے ہی ڈاکٹر صاحب کا تبصرہ اس عنوان کے تحت شائع کیا ہے:

واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر......کا تجزیہ
یہ کتاب یزیدیت کی پنیری کا نیا گملہ ہے۔

اس عنوان اور ترتیب سے تو یہی مفہوم سمجھ میں آتا ہے کہ عنوان میں مذکور ''یہ کتاب یزیدیت کی پنیری کا نیا گملہ ہے'' کے الفاظ بھی ڈاکٹر صاحب کے ہی ہیں لیکن راقم الحروف کے پاس تعمیر حیات کے مضمون کا مکمل فوٹو ہے اور اس میں مذکورہ الفاظ نہ صرف عنوان بلکہ پورے مضمون میں کہیں بھی نہیں ہیں۔

عنوان میں مولانا اللہ وسایا صاحب کے ''اضافہ'' سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ڈاکٹر صاحب کے مضمون کے ''بنظر عمیق'' مطالعے کے بعد موصوف کا اخذ کردہ اپنا نتیجہ ہے جسے اس خوبصورتی اور مہارت کے ساتھ عنوان کا حصہ بنا دیا گیا ہے کہ پڑھنے والا اسے ڈاکٹر صاحب کا ہی عنوان قرار دے۔

طرفہ تماشا یہ کہ اس قدر اہتمام اور تعارفی سطور کے ساتھ اشاعت کے باوجود یہ بھی لکھ دیا گیا ہے کہ ''ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں''

یہاں ''ادارہ'' سے مراد موصوف کی اپنی ذات ہے اگر انہیں بالفرض مضمون کے مندرجات کے ساتھ اتفاق نہیں تھا تو پھر صحابہ کرامؓ کی توہین پر مبنی اس مضمون کی اکیس سال بعد محرم کے آغاز سے عین ایک ماہ قبل اشاعت کی ضرورت کس داعیہ کے تحت محسوس ہوئی؟ آخر اس بات کہ ''ریکارڈ میں محفوظ کرنے کے لئے پیش خدمت ہے'' اور ''ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں'' میں کیا ربط اور جوڑ ہے؟

اس توہین آمیز مضمون کی اشاعت کے بعد چند حضرات کے احتجاج اور ''توجہ'' دلانے پر موصوف نے لولاک کے اگلے شمارے میں قارئین سے معذرت کر لی۔ چونکہ زیر نظر کتاب میں ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کے اصل مضمون پر تبصرہ پیچھے گذر چکا ہے جس کی پاکستان میں تازہ اشاعت میں صرف اور صرف

مولانا اللہ وسایا صاحب ہی کی تمام تر ذاتی کاوشیں شامل ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی ریکارڈ میں محفوظ کرنے کے لئے اسے جوں کا توں نذر قارئین کر دیا جائے:

ضروری اعتذار

ندوۃ العلماء لکھنؤ کا ترجمان رسالہ "تعمیر حیات" ہے دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی، تاریخ اسلام کی اشاعت میں گراں قدر خدمات ، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی سرپرستی میں شائع ہونے والے اس رسالہ میں ندوہ کے نہ صرف فاضل بلکہ ناظم تعلیمات مولانا عبداللہ عباس ندوی کا ایک دیرینہ مضمون تھا۔ کسی نے اس کی فوٹو بھجوائی جو عرصہ سے بغیر پڑھے رکھ دی تھی۔ اب حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی کی نئی کتاب "محمود عباسی نظریات کا تحقیقی جائزہ" تبصرہ کے لئے آئی تو فقیر نے عبداللہ عباس ندوی کا وہ مضمون جو ایک کتاب "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" پر تبصرہ تھا اسے بھی یہاں ریکارڈ کے لئے شائع کیا۔ کیونکہ محمود عباسی اور عتیق سنبھلی دونوں یزیدیت کے علمبردار اور ان کی کتابیں یزیدیت کی پنیری کا نیا گملہ ہیں۔ ماہنامہ لولاک کی ترتیب کی تمام تر ذمہ داری فقیر کے ذمہ ہے۔ شوال المکرّم تا ذی الحجہ شب و روز تین ماہ کے طوفانی اسفار رہے۔ ختم نبوت کانفرنس چناب نگر کی تیاری کی مصروفیت علاوہ ازیں تھی۔ چنانچہ ماہنامہ لولاک کے یہ شمارے بھاگم بھاگ میں مرتب ہوئے۔ اس مصروفیت میں ندوہ کے نام و کام کے اعتماد میں مولانا عبداللہ عباس ندوی کا مضمون دقت نظر سے نہ پڑھا جاسکا۔ سرسری اور سطحی نظر سے دیکھا۔ بعض مقام قلم زد بھی کئے۔ "ادارہ کا مضمون سے اتفاق ضروری نہیں" کا نوٹ لگا کر جلدی میں کمپوزنگ کے لئے بھجوا دیا۔ ایسی چیزوں کی کمپوزنگ کے بعد کانٹ چھانٹ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان کہ پروف ریڈنگ بھی اپنی مصروفیات کے باعث فقیر نہ کرپایا۔ جب ذی الحجہ کا پرچہ چھپ کر آیا تو بعض بہی خواہاں نے توجہ دلائی کہ اس میں سیدنا حضرت سفیانؓ ایسے حضرات سے متعلق ایسی بات آگئی ہے جو کسی بھی طور پر کسی بھی مسلمان کے ایمانی تقاضا کے منافی ہے۔

امیر مرکزیہ حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی، حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، حضرت مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری، مولانا صاحبزادہ عزیز احمد، حضرت مولانا عبدالرؤف، مولانا محمد طیب فاروقی اسلام آباد اور دیگر احباب نے توجہ دلائی۔ جامعہ نعمانیہ ڈیرہ اسماعیل خان کے مولانا احسان اللہ احسان کے خط سے معلوم ہوا کہ اس مضمون سے خود مضمون نگار نے بھی رجوع کیا تھا۔ دار العلوم دیوبند میں اس کا جواب بھی لکھا گیا۔ مولانا محمد منظور نعمانیؒ، مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی اس پر خط و کتابت بھی ہوئی۔ فقیر کے لئے یہ تمام معلومات نئی تھیں، اپنی لاعلمی پر بہت ہی ترس آیا۔ حضرات صحابہ کرامؓ حضرات

اہل بیت عظامؓ کی محبت اوران کااحترام تمام مسلمانوں کےایمان کا حصہ ہے۔

اس مضمون کے قابل اعتراض حصوں پر جتنی اوراہل اسلام کی دل آزاری ہوئی، ان سب سے بڑھ کر اکیلےفقیر راقم اس سے دل گرفتہ ہوا۔غفلت چاہے غیر ارادی تھی لیکن اس کا باعث فقیر بنا۔اس پراللہ رب العزت کے حضور تمام قارئین کے سامنے استغفار کرتا ہوں۔تمام قارئین جن کی دل آزاری ہوئی، سے معذرت چاہتا ہوں۔اللہ رب العزت جو دلوں کے رازوں کو جانتے ہیں وہ فقیر کی اس غیر ارادی غلطی کو معاف فرمائیں۔اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کو جزائے خیر سے نوازیں جنہوں نے اس پر تنبیہ فرمائی۔میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ بحمدہ تعالیٰ کسی بھی مسلمان سے اصحاب کرامؓ واہل بیت عظامؓ سے محبت اوران کے احترام میں کم نہیں ہوں۔لولاک کا ریکارڈ گواہ ہے کہ جب سے اس کی ترتیب فقیر کے ذمہ لگی ہے اس دن سے کوئی شمارہ صحابہ کرامؓ، اہل بیت عظامؓ کے ذکر مبارک سے خالی نہیں۔یہ کسی پر احسان نہیں بلکہ یہ بات ایمان کا حصہ اورعین تقاضا ہے۔مگر بایں ہمہ انسان نسیان وخطا کا پتلا ہے۔آئندہ کے لئے بھی دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ ایمان واسلام کی سلامتی سے سرفراز فرمائیں اورخطاؤں سے محفوظ رکھیں۔

وما ذالك على الله بعزيز۔ امين بحرمة النبي الكريم

راقم (مولانا) اللہ وسایا

(ماہنامہ لولاک ملتان نومبر ۲۰۱۳ء ص اندرون ٹائٹل)

ڈاکٹرعبداللہ عباس ندوی کا سات صفحات پر مشتمل توہین آمیز مضمون اورموصوف کا ایک صفحہ پر ’’ضروری اعتذار‘‘ پڑھنے کے بعد اس ’’معذرت‘‘ پر یہ مقولہ صادق آتا ہے کہ:

’’معذرت راخندہ می آید براستغفار‘‘

قارئین کرام! جس صفحہ پر سب سے زیادہ توہین آمیز مواد ہے اسی صفحہ کا آغاز مولانا اللہ وسایا صاحب نے باقاعدہ عنوان قائم کرکے کیا ہے کہ:

درحقیقت مصنف کو جو الجھن پیش آئی ہے اس کے دو اسباب ہیں

جبکہ ڈاکٹر صاحب کے مضمون میں یہ عنوان نہیں ہے بلکہ مسلسل عبارت ہے۔

یہ ممکن ہے کہ مولانا اللہ وسایا صاحب نے باقی مضمون ’’سرسری اورسطحی‘‘ نظر سے دیکھا ہو لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ توہین سے بھرپور صفحہ انہوں نے ’’سرسری اورسطحی‘‘ نظر سے دیکھا ہے۔زیر بحث صفحہ انہوں نے نہایت ہی غوروخوض اور’’دقت نظر‘‘ سے پڑھا ہے کیونکہ اسی کے ’’پہلے پیراگراف‘‘ سے

انہوں نے چند سطور قلم زد کی ہیں جبکہ اس کے آگے پیچھے سارا تکفیری مواد موجود تھا۔

قارئین کرام! ماہنامہ لولاک (اکتوبر ۲۰۱۳ء) صفحہ نمبر ۲۱ سے قلم زد حصے سمیت سیاق وسباق ملاحظہ فرمائیں:

''ایک یہ کہ انہوں نے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا کہ تاریخ کا کوئی حادثہ یا واقعہ ماضی سے جدا کر کے ایک اکائی کی شکل میں نہیں دیکھا جا سکتا۔ کربلا کا واقعہ بنوامیہ اور بنو ہاشم کی دیرینہ عداوتوں کا ایک منطقی نتیجہ (Quence cose) تھا (جبکہ اصل مضمون میں یہ لفظ Cose Quence ہے) وہ عداوتیں جو ظہور اسلام کے بعد بہت طاقتور شکل میں ابھر کر سامنے آئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ۲۳ سالہ عرصہ نبوت میں ۲۱ سال تک بلکہ ساڑھے اکیس سال تک شد و مد سے قائم رہیں۔ غزوہ بدر میں مسلمان فوج کی کامرانی نے جس طبقہ کو سب سے زیادہ برافروختہ کیا اس کے سربراہ ابوسفیانؓ تھے۔ اسی طرح غزوہ احد میں ان کا اور ان کی اہلیہ جگر خوار حمزہؓ، ہندہ کا کردار یہ سب وہ باتیں ہیں جن میں مؤرخین کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(اس کے بعد مولانا اللہ وسایا صاحب نے حسب ذیل سطور قلم زد فرمائی ہیں:)

فتح مکہ کے بعد یہ گروہ اسلام لایا (یا بقول سید قطب شہید کے استسلام کیا) مگر اس استسلام کے بعد اچانک ایک پل میں ایسی تبدیلی ہوگئی کہ وہ بدر کا غم بھول گئے، اپنی انانیت کو بھول گئے، عقلاً محال بات ہے اور''

(اس قلم زد حصے کے بعد اسی صفحہ بلکہ اسی سطر سے تسلسل کے ساتھ مضمون جاری ہے۔ موصوف نے عجلت میں ''خطرناک'' لفظ ''اور'' کو بھی قلم زد کر دیا جبکہ یہ اگلے جملے کا حصہ ہے)

صحاح کی مستند روایات سے ثابت ہے کہ ہندہؓ نے بیعت کے الفاظ دہراتے ہوئے بھی اپنے اندرونی کرب وغم اور غیظ وغضب کا اظہار کیا تھا۔

حضرت ابوسفیانؓ (جبکہ اصل مضمون میں علامت ترضی یعنی ''رضی'' نہیں ہے) نے احتجاج کیا تھا کہ اب وہ دن آگیا ہے کہ یہ پسماندہ (یعنی ابوبکرؓ) ہم اشراف پر فوقیت دیئے جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خلاف حضرت علیؓ کو اکسانے کی کوشش بھی ان سے ثابت ہے۔

اسلام کے پورے طور پر فاتح ہو جانے کے بعد جب مقاومت کی تمام راہیں مسدود ہوگئی تھیں اس عرصۂ مختصر میں اس گروہ کی طرف سے کسی واضح دشمنی کا ثبوت تاریخ میں نہیں ملتا مگر جس

طرح صلیبیوں کے دل میں صلیبی جنگوں میں شکست کا غم وغصہ آج تک موجود ہے، اسی طرح اس گروہ میں بدر کے انتقام کا جذبہ سینہ کے اندر بھڑکتی ہوئی آگ کی طرح جوش مارتا رہا۔

حضرت عثمانؓ کی خلافت نے البتہ اسلام کی طرف سے ان کے عناد کو ختم کیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ان کا دل صاف نہیں ہوا۔ احمد امین نے ''فجر الاسلام'' اور اس کے مقدمہ میں طہٰ حسین نے اس کی نشان دہی کی ہے۔ ممکن ہے یہ تجزیہ غلط ہو مگر یہ غلط نہیں ہے کہ حرہ اور کربلا کے واقعات کو ان خلفیات سے جدا کر کے نہیں دیکھا جا سکتا...... اس حادثہ کا سرا حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد سے نہیں، غزوہ بدر کے واقعات سے مربوط کیا جائے تو تاریخی، احداث کی کڑیاں ایک دوسرے سے زیادہ پیوست نظر آئیں گی۔

واقعات جو تاریخ کی کتابوں میں متضاد و متناقض ہیں اس کا سبب کوئی معمہ نہیں ہے جو سمجھ میں نہ آسکے۔ خلافت راشدہ کے بعد ''ملکیت عضوض'' (یعنی خلافت معاویہؓ) کا دور شروع ہوا تو قدرتاً دو گروہ ہو گئے۔ ایک وہ جس کو حکومت وقت سے وابستگی تھی خواہ جان بچانے کی خاطر یا طمع کی وجہ سے یا مسلمانوں میں آپس کی خانہ جنگی سے نجات حاصل کرنے کی خاطر وہ سمجھتا تھا کہ جس کا غلبہ ہے اس کی تائید کی جائے۔ دوسرا طبقہ وہ تھا جو اصل دین کی پامالی پر رنجیدہ تھا'' (ماہنامہ لولاک اکتوبر ۲۰۱۲ء ص ۲۱)

قارئین کرام! مذکورہ عبارت میں صرف ''رنجیدہ تھا'' صفحہ نمبر ۲۲ سے لیا گیا ہے باقی تمام عبارت ص ۲۱ ہی کی ہے۔ اسے بار بار پڑھیں اور ''قلم زد'' حصے کا ماقبل اور مابعد کو دیکھیں اور یہ فیصلہ کریں کہ کیا اس میں ''قلم زد'' حصے سے زیادہ توہین نہیں پائی جاتی۔ یہ صرف ایک صفحے کی عبارت ہے جبکہ یہ پورا مضمون صفحہ نمبر ۱۹ سے ۴۵ تک پھیلا ہوا ہے۔ ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ موصوف نے چند سطور کیوں قلم زد کیں؟ کیا یہ خیانت کے زمرے میں نہیں آتا؟ اگر ان سطور میں توہین پائی جاتی تھی تو پھر اس کی وضاحت کیوں نہ کی؟ توہین آمیز سطور حذف کر کے اور اس کی وضاحت نہ کر کے موصوف نے قارئین کو دھوکے میں مبتلا رکھنے کی کوشش کی کہ کہیں قارئین مضمون نگار ڈاکٹر عبداللہ عباس سے بدظن نہ ہو جائیں۔ کیا اس عبارت کی موجودگی میں شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا صاحب کا ''معصومانہ اعتذار'' ایک لمحہ کے لئے بھی قابل قبول ہو سکتا ہے؟ سوال یہ ہے کہ ڈاکٹر عبداللہ عباس کے دل آزار مضمون کی ۲۱ سال بعد لولاک میں اس کی اشاعت ''بھاگم بھاگ'' کیفیت میں کیوں ضروری سمجھی گئی؟

موصوف نے اس کی بنیادی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ ''ان دنوں میں مفتی عبدالشکور ترمذی کی کتاب ''محمود عباسی نظریات کا تحقیقی جائزہ'' تبصرہ کے لئے آئی ہوئی تھی اس لئے فقیر نے عبداللہ

عباس ندوی کا وہ مضمون جو ایک کتاب ”واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر“ پر تبصرہ تھا، اسے بھی یہاں ریکارڈ کے لئے شائع کیا کیونکہ محمود عباسی اور عتیق الرحمٰن سنبھلی دونوں یزیدیت کے علمبردار اور ان کی کتابیں یزیدیت کی پنیری کا نیا تکملہ ہیں“

سوال یہ ہے کہ حضرت ترمذی صاحب کی کتاب پر جب تبصرہ اسی شمارے میں آگیا ہے تو کیا ”سرسری اور سطحی“ طور پر پڑھا جانے والا ڈاکٹر صاحب کا توہین آمیز مضمون بھی اسی شمارے میں آنا لازمی تھا؟ آخر ”وقتِ نظر“ سے پڑھے جانے تک اسے مؤخر کیوں نہیں کرلیا گیا؟

موصوف نے معلوم نہیں کہ کس طبقہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ماہنامہ لولاک کے سات صفحات صحابہ کرامؓ کی توہین کے لئے مختص کردیئے حالانکہ سنبھلی صاحب کی کتاب ان کے پاس برائے تبصرہ ہرگز نہیں آئی تھی۔

اگر سنبھلی صاحب کی کتاب سے قارئین کو آگاہ کرنا ہی مقصود تھا تو کیا اس کے لئے الگ سے کوئی مضمون نہیں لکھا جاسکتا تھا؟ کیونکہ سنبھلی صاحب کی کتاب کوئی اسی مہینے میں تو شائع نہیں ہوئی تھی وہ بھی تو ”لولاک“ میں شائع ہونے والے مضمون سے ۲۱ سال پہلے طبع ہوئی تھی۔

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب کی کتاب پہلی مرتبہ ”واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر“ جنوری ۱۹۹۲ء میں شائع ہوئی۔ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے اس پر تبصرہ پندرہ روزہ تعمیر حیات میں ۱۰ مارچ ۱۹۹۲ء کو شائع کیا۔ جس کا فوٹو لے کر مولانا اللہ وسایا صاحب نے اپنے رسالہ ماہنامہ لولاک (اکتوبر ۲۰۱۳ء) میں ۲۱ سال بعد شائع کیا وہ بھی اس مجبوری کی بناء پر کہ ان دنوں ان کے پاس مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی کی کتاب ”محمود عباسی نظریات کا تحقیقی جائزہ“ برائے تبصرہ آگئی تھی۔

سوال یہ ہے کہ اس مقصد کے لئے مولانا اللہ وسایا صاحب نے اتنی زحمت کیوں اٹھائی کہ ۲۱ سال پیچھے وہ بھی لکھنؤ کے ایک رسالے سے سنبھلی صاحب کی کتاب پر ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کے سات صفحات کا توہین صحابہ پر مشتمل ایک مضمون ”ڈھونڈ“ نکال لائے حالانکہ ان کا یہ مقصد پاکستان، ملتان اور لاہور میں بھی پورا ہوسکتا تھا۔

سنبھلی صاحب کی کتاب پر اسی سال مولانا عبدالحق خان بشیر نے ۳۲ صفحات پر مشتمل جامع تبصرہ قلم بند کیا تھا جو یکجا ایک ہی قسط میں شائع ہوا۔ ملاحظہ ہو: ماہنامہ حق چار یار۔ اکتوبر ۱۹۹۲ء ص ۲۹ تا ۶۰ مع بقیہ ص ۲۵۔ اس کے بعد مولانا قاضی مظہر حسین صاحب نے چار اقساط میں بہ عنوان ”واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر“ کا ایک ناقدانہ جائزہ“ شائع کیا۔ ملاحظہ ہو ماہنامہ حق چار یار نومبر ۱۹۹۲ء، جنوری، فروری، مئی ۱۹۹۳ء۔

علاوہ ازیں مولانا اللہ وسایا صاحب کے "ضروری اعتذار" میں ایک حیران کن بات یہ ہے کہ انہوں نے ایک صفحہ کی ۲۸ سطروں پر مشتمل اپنے "اعتذار" میں نفس مسئلہ پر صرف ایک سطر صرف فرمائی پھر اس میں حضرت معاویہؓ کے والد گرامی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خسر سیدنا ابوسفیانؓ کا پورا نام بھی نہیں لکھ سکے: "اس میں سیدنا حضرت سفیانؓ ایسے حضرات سے متعلق ایسی بات آ گئی ہے ...."

جبکہ اسی "اعتذار" میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے قائدین وعہدیداران کے نام مع القاب و سکونت تحریر کیے اور باقی سطور میں اپنی کارگزاری اور بے گناہی، ہی ثابت کی کہ "......اپنی لاعلمی پر بہت ہی ترس آیا، غفلت چاہے غیر ارادی تھی، فقیر کی اس غیر ارادی غلطی ......"

قارئین کرام! ماہنامہ لولاک (اکتوبر ۲۰۱۳ء) کے صفحہ نمبر ۲۱ کی "قلم زد" سطور کو چھوڑ کر بھی باقی عبارت میں صحابہ کرامؓ کی تکفیر و توہین کو دیکھیں اور پھر مولانا اللہ وسایا صاحب کا "اعتذار" پڑھیں اور موصوف کو "شاباش" دیں کہ کس طرح انہوں نے پورے "اعتذار" میں مضمون نگار یا تبصرہ نگار ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کو "محفوظ راستہ" دے دیا۔ حالانکہ وہ یہ بات تسلیم کر چکے ہیں کہ "جو کسی طور پر کسی بھی مسلمان کے ایمانی تقاضا کے منافی ہے"

مولانا اللہ وسایا صاحب نے جو غلیظ ترین مضمون شائع کیا اس کے مطابق:

۱۔حضرت ابوسفیان، حضرت ہند، حضرت معاویہ اور دیگر افراد رضی اللہ عنہم حقیقتاً مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ ظاہری طور پر اطاعت قبول کی تھی۔

۲۔ظاہری اطاعت کے بعد کیا وہ زمانہ کفر وشرک کی عداوتوں کو بھول گئے تھے۔ یہ عقلاً محال ہے۔ جو چیز عقلاً محال ہوتی ہے اس کا وجود ناممکن ہوتا ہے۔ یعنی فتح مکہ کے موقع پر بنوامیہ کے جن لوگوں نے استسلام کیا تھا یہ ناممکن ہے کہ وہ بدر کی شکست کا غم بھول گئے ہوں۔

۳۔جگر خوار حمزہؓ ہند نے بیعتِ اسلام کے وقت بھی اپنے اندرونی کرب وغم کا اظہار کیا تھا۔

۴۔ابوسفیان نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے خلاف سازش کی اور حضرت علیؓ کو اکساتے رہے۔ مولانا اللہ وسایا کا اپنا اعتقاد بھی یہی ہے تفصیل آگے آ رہی ہے۔

۵۔غلبۂ اسلام کے بعد یہ گروہ مقابلہ کی طاقت نہ پا کر ایک محدود عرصہ کے لئے خاموش رہا مگر جس طرح انگریزوں کے دل میں صلیبی جنگوں کا غم آج تک موجود ہے اسی طرح اس گروہ کے سینہ میں بدر کے انتقام کا جذبہ بھڑکتی ہوئی آگ کی طرح جوش مار رہا تھا۔

۶۔حضرت عثمانؓ کی خلافت نے اسلام سے ان کے عناد کو ختم کر دیا تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم سے ان کا دل صاف نہیں ہوا پھر معلوم نہیں کہ اسلام سے ان کا دل کیسے صاف ہو گیا تھا؟

اس مضمون میں حضرت ابو سفیان، حضرت ہند، حضرت یزید بن ابی سفیان، حضرت معاویہ، حضرت عتاب بن اسید، حضرت خالد بن سعید وغیرہ رضی اللہ عنہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمد صحابہ کو صلیبیوں کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے انگریزوں کی صف میں کھڑا کر دیا گیا ہے۔

سخت تعجب ہے کہ مذکورہ فردِ جرم پڑھ کر ایک عام مسلمان کا خون کھول اٹھتا ہے مگر مولانا اللہ وسایا صاحب اسے کس طرح ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر گئے۔

موصوف نے جب ڈاکٹر صاحب کا مضمون ہی ''دقتِ نظر'' سے نہیں دیکھا تو ان کا ''رجوع نامہ'' کب دیکھا ہو گا اور اس ''رجوع'' کے بارے میں بھی انہیں مولانا احسان اللہ احسان (ڈیرہ اسماعیل خان) نے خط کے ذریعے آگاہ کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے الفاظ یہ تھے:

''یزید کے خلاف شدتِ جذبات میں میرے قلم سے ایک ایسی عبارت نکل گئی جس سے حضرت ابو سفیانؓ، حضرت ہندؓ اور بنو امیہ کے بعض دیگر صحابیوں کی تنقیص کا مطلب نکالا جا سکتا تھا'' اس ''رجوع نامے'' کو اس وقت کے علماء نے مسترد کر دیا تھا۔ مولانا منظور احمد مظاہری قاضی شہر کانپور لکھتے ہیں کہ:

''اپنے وضاحتی بیان میں عبد اللہ عباس ندوی صاحب نے ہرگز ہرگز اپنے فاسد خیالات سے رجوع نہیں کیا ہے بلکہ عام لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی ہے۔ یہ ایک علمی مسئلہ ہے۔ عوام اس کی نزاکت اور اس کے دور رس اثرات کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے''

قارئین کرام! اموی صحابہ کرامؓ کی تکفیر سے متعلق صریح عبارات پڑھنے کے باوجود مولانا اللہ وسایا صاحب نے ''اعتذار'' میں ڈاکٹر صاحب کے بارے میں کس قدر رزم گوشہ اختیار کیا ہے۔ دوسری طرف لولاک کے اکتوبر ۲۰۱۳ء کے شمارے میں ہی مولانا عبد الشکور ترمذی کی کتاب ''محمود عباسی نظریات کا تحقیقی جائزہ'' پر تبصرہ میں مولانا اللہ وسایا صاحب کا غیظ و غضب اور جلال ملاحظہ فرمائیں:

''رسوائے زمانہ محمود عباسی علیہ ما علیہ نے ایک کتاب لکھی جو تحقیق کے نام پر دجلِ دجال اور تلبیسِ ابلیس کا نمونہ تھی۔ اس کتاب کا نام ''خلافت معاویہ و یزید'' تھا۔ اس کتاب کے ذریعے محمود عباسی نے پاکستان میں فتنہ یزیدیت کی بنیاد رکھی۔ پھر شیطانی ذریت بلکہ ذریت البغایا کی ایک فصل اُگ آئی۔ حوالے دینے میں یہ شخص خائن اور بد دیانت ثابت ہوا۔ دجل میں شیطان کے کان کترنا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ اس کی کتاب نے شر و فتن کا دروازہ کھولا کہ اہلِ حق تڑپ گئے اور اہلِ باطل کو سرور حاصل ہوا۔ محمود عباسی کی کتاب حیا سوز تھی تو اس کا جواب ایمان افروز ہے۔ پڑھیئے اور آنے والی نسل کو

یزیدیت کے ملعون فتنہ سے بچائیے۔"(ماہنامہ لولاک۔اکتوبر ۲۰۱۳ء۔ص ۵۲۔۵۳)

کیا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کا مکروہ ترین اور بدبودار مضمون (جس میں اموی صحابہؓ کو کافر تک قرار دیا گیا ہے) محمود عباسی کے بارے میں استعمال کردہ الفاظ سے کچھ زیادہ کا مستحق نہ تھا۔آپ "ضروری اعتذار" پڑھیے اور سر دھنیئے کہ مجال ہے کہ ان ۲۸ سطروں میں ڈاکٹر صاحب کی مذمت میں کوئی ادنیٰ سا اشارہ بھی کیا گیا ہو یا جن صحابہؓ کی توہین وتکفیر کی گئی ہے ان کے نام لے کر ان کی منقبت بیان کی گئی ہو۔

کاش! مولانا اللہ وسایا صاحب ان صحابہ کرامؓ (جن کے ایمان پر ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے حیا سوز حملے کئے تھے) کے اسمائے گرامی ذکر کر کے اگر زیادہ نہیں تو کم از کم اسی انداز میں تردید کرتے جس "جلال" اور غیظ وغضب میں موصوف نے محمود احمد عباسی کے نظریات کی تردید کی ہے کیونکہ محمود عباسی کی نسبت ڈاکٹر صاحب کہیں بڑے مجرم تھے۔

مگر صد افسوس! مولانا اللہ وسایا صاحب اموی صحابہؓ کے بارے میں نہ صرف یہ کہ ڈاکٹر صاحب کے مضمون کی کوئی تردید نہ کر سکے بلکہ ان کے بعض الزامات کو صحیح سمجھ کر نقل بھی کرتے رہے۔اس کی ایک تازہ مثال ماہنامہ لولاک دسمبر ۲۰۱۵ء کے شمارے میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے ایک مضمون "فضائل مدینۃ النبیﷺ" کی اشاعت ہے۔

شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ ۱۰۵۲ھ میں فوت ہوئے تھے ان کے ایک غیر تحقیقی مضمون کو تقریباً چار سو سال بعد ۱۴۳۷ھ میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے ترجمان رسالہ ماہنامہ لولاک میں معلوم نہیں کہ کس "قلبی روگ" کی بناء پر شامل اشاعت کیا گیا؟ اس مضمون میں واضح طور پر حضرت بُسر بن ارطاۃ،حضرت جابر،حضرت علی،حضرت جاریہ،حضرت ابو ہریرہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کی توہین وتنقیص کے علاوہ موخر الذکر کی بیعت کو "بیعت ضلالت" بھی قرار دیا گیا ہے۔اس کے علاوہ حضرت جابرؓ جیسے جلیل القدر صحابی پر ایک یہ الزام بھی عائد کیا گیا ہے کہ انہوں نے جان کے خوف سے ام المؤمنین سیدہ ام سلمہؓ کے مشورہ پر چار وناچار "بیعت ضلالت" کر لی تھی۔اس کی تفصیل پیچھے زیر عنوان "شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ" گزر چکی ہے۔

ابھی حال ہی میں ۲۱ نومبر ۲۰۱۵ء کو حویلیاں کی ایک مسجد میں علماء کرام اور مفتیان عظام کی موجودگی میں مولانا اللہ وسایا صاحب ختم نبوت کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے حضرت ابو سفیان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے خلاف ایک موضوع اور من گھڑت روایت بیان کر گئے۔موصوف نے ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کے مضمون میں حضرت ابو سفیانؓ پر عائد کردہ ایک الزام کو صحیح سمجھ کر بیان کرتے ہوئے کہا کہ:

''جب ابوبکر صدیقؓ خلیفہ بن گئے تو ایک آدمی دوڑتا ہوا حضرت علیؓ کے پاس گیا اور کہا کہ ابوبکرؓ خلیفہ ہوگئے۔ حضرت علیؓ مسکرائے اور آگے چل پڑے۔ پھر کہا کہ ابوبکرؓ خلیفہ ہوگئے۔ حضرت علیؓ مسکرائے اور آگے چل پڑے۔ تیسری دفعہ پھر وہ آدمی حضرت علیؓ کے سامنے آیا پھر وہی سوال کیا تو حضرت علیؓ نے مسکرا کر جواب دیا کہ تم نے کیا بار بار رٹ لگا رکھی ہے کہ ابوبکرؓ خلیفہ ہوگئے جس کو آپؐ نے اپنی زندگی میں اپنا امام بنایا تھا اگر اس کو ہمارا امام مقرر کیا گیا تو کیا حرج ہے؟''

موصوف نے اس واقعہ کے بیان میں حضرت علیؓ کو اکسانے والے کا نام تو نہیں لیا مگر مقرر خود تو خوب جانتے ہیں کہ یہ شخص کون ہے؟ جب مسجد میں علماء کی موجودگی ایک جھوٹا واقعہ اس قدر ''دھڑلے'' سے مزے لے لے کر بیان کر دیا تو پھر اس شخص کا نام مخفی رکھنے میں کیا حکمت محسوس کی؟

مقرر موصوف کو یہ تو علم ہے کہ ''وہ شخص'' تین مرتبہ حتیٰ کہ راستہ تبدیل کر کے بھی حضرت علیؓ کے سامنے آ کر انہیں مشتعل کرتا رہا کیا موصوف اس بات سے بے خبر تھے کہ وہ شخص کون تھا؟

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے دو مرتبہ تو حضرت علیؓ ''شخص مذکور'' کی بات سن کر مسکرا گئے پھر تیسری مرتبہ ''مسکرا'' کر فرمایا: ''تم نے کیا بار بار رٹ لگا رکھی ہے؟'' کیا ایسا جواب ''مسکرا'' کر ہی دیا جاتا ہے یا اپنی ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے؟

اس واقعہ کے بیان کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے اصل واقعہ میں اپنے الفاظ شامل کر کے بدترین تدلیس کا ارتکاب کیا ہے اس طرح وہ ''مدلسین'' کی صف میں بھی شامل ہوگئے ہیں۔ (فبذلك فليفرحوا۔)

مولانا اللہ وسایا صاحب کے ممدوح ڈاکٹر عبداللہ عباس نے نام لے کر کہا کہ:

''حضرت ابوسفیان نے احتجاج کیا تھا کہ اب وہ دن آگیا ہے کہ یہ (یعنی ابوبکرؓ) پسماندہ ہم اشراف پر فوقیت دیئے جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خلاف حضرت علیؓ کو اکسانے کی کوشش بھی ان سے ثابت ہے'' (ماہنامہ لولاک اکتوبر ۲۰۱۳ء ص ۲۱)

چونکہ ڈاکٹر عبداللہ عباس کے نزدیک خلافتِ صدیقؓ کے خلاف حضرت ابوسفیانؓ کی کوشش ''ثابت'' تھی اس لئے مولانا اللہ وسایا صاحب نے بھی اپنے بیان میں حضرت ابوسفیانؓ کا نام لیئے بغیر ان کوششوں کا ذکر کیا جنہیں حضرت علیؓ نے یہ کہہ کر کہ ''یہ تم نے بار بار کیا رٹ لگا رکھی ہے'' نا کام بنادیا۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب بحوالہ تاریخ طبری لکھتے ہیں کہ:

''اسی طرح حضرت ابوسفیانؓ کو بھی عصبیت ہی کی بناء پر ان (یعنی حضرت ابوبکرؓ) کی خلافت

ناگوار ہوئی تھی اور انہوں نے حضرت علیؓ سے جا کر کہا تھا کہ: "قریش کے سب سے چھوٹے قبیلے کا آدمی کیسے خلیفہ بن گیا؟ تم اٹھنے کے لئے تیار ہو تو میں وادی کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں"

مگر حضرت علیؓ نے یہ جواب دے کر ان کا منہ بند کر دیا کہ:

"تمہاری یہ بات اسلام اور اہل اسلام کی دشمنی پر دلالت کرتی ہے۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ تم کوئی سوار اور پیادے لاؤ۔ مسلمان سب ایک دوسرے کے خیر خواہ اور آپس میں محبت کرنے والے ہوتے ہیں خواہ ان کے دیار اور اجسام ایک دوسرے سے کتنے ہی دور ہوں، البتہ منافقین ایک دوسرے کی کاٹ کرنے والے ہوتے ہیں۔ ہم ابوبکرؓ کو اس منصب کا اہل سمجھتے ہیں اگر وہ اہل نہ ہوتے تو ہم لوگ کبھی اس منصب پر مامور نہ ہونے دیتے۔" (خلافت وملوکیت ص ۹۷)

مولانا اللہ وسایا صاحب نے خلافت صدیقؓ کے خلاف سازش کرنے والے اور حضرت علیؓ کو مشتعل کرنے والے جس شخص کا نام تقیۃً مخفی رکھنے کی کوشش کی تھی اسے ان کے ممدوح ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنی تحریرات میں واضح اور ظاہر کر دیا۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اللہ وسایا صاحب نے جس واقعہ کو اللہ تعالیٰ کے پاک گھر میں، منبر رسولؐ پر بیٹھ کر اپنے "خطاب" میں بیان کیا ہے اسے اس کے "اصل مآخذ" سے قارئین کی خدمت میں پیش کر دیا جائے تا کہ وہ یہ فیصلہ کر سکیں کہ مولانا اللہ وسایا صاحب کی طرح اسے صحیح اور ثابت سمجھنے والے حضرت علی، حضرت عباس اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہم کی کس قدر گستاخی اور توہین کے مرتکب ہوئے ہیں:

"قال ابوسفيان لعلى ما بال هذا الأمر فى أقل حيّ من قريش والله لئن شئت لأملأنها عليه خيلا و رجالا فقال على يا أبا سفيان طال ما عاديت الاسلام و أهله فلم تضره بذاك شيئا إنا و جدنا أبابكر لها أهلا ...... لما اجتمع الناس على بيعة ابى بكر أقبل أبوسفيان وهو يقول والله إنى لأرى عجاجة لا يطفئها الادم يا آل عبدمناف فيما أبوبكر من أموركم أين المستضعفان، أين الأذلان على والعباس و قال أبا حسن ابسط يدك حتى أبايعك فأبى على عليه فجعل يتمثل بشعر الملتمس

ولن يقيم على خسف يراد به　　　إلّا الأذلان عير الحي والوتد
هذا على الخسف معكوس برمته　　　وذا يشج فلا يبكى له أحد

فزجره على وقال إنك والله ما أرادت بهذا آلا الفتنة و إنك والله طال ما بغيت

الاسلام شرّا، لا حاجة لنا فی نصیحتك......

لما بویع أبوبکر قال ابوسفیان لعلی والعباس أنتما الأذلان ثم أنشد یتمثل:

إن الھوان حمار الأھل یعرفه — والحر ینکره والرسلة الأجد

ولا یقیم علیٰ ضیم یراد به — إلا الأذلان عیر الحی والوتد

ھذا علی الخسف معکوس برمته — وذایشج فلا یبکی له أحد

(تاریخ الامم والملوك ـ الجزء الثانی ص ٤٤٩ ـ طبع بیروت ـ لبنان ١٨٧٩ء)

ابوسفیانؓ نے علیؓ سے کہا کہ یہ کیا ہوا کہ حکومت قریش کے سب سے کم تعداد قبیلے میں چلی گئی ۔ اللہ کی قسم اگر تم چاہو تو میں وادی کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں ۔ حضرت علیؓ نے کہا: اے ابوسفیان! تم ہمیشہ سے اسلام اور مسلمانوں کے دشمن رہے مگر تمہاری دشمنی سے اسلام کو، کوئی نقصان نہیں ہوا ۔ ہم نے ابوبکرؓ کو خلافت کا اہل سمجھ کر ان کی بیعت کی ہے ......

جب سب لوگ ابوبکرؓ کی بیعت کے لئے جمع ہوئے تو ابوسفیانؓ سب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ مجھے یقین ہے کہ اس کارروائی سے ایک ہنگامہ برپا ہوجائے گا جس میں خون ریزی ہوکر رہے گی ۔ اے آل عبد مناف! ابوبکرؓ کو تمہارے معاملات میں مداخلت کرنے کا کیا حق ہے؟ وہ دونوں ذلیل کہاں ہیں جن کو کمزور اور حقیر سمجھا گیا ہے یعنی علیؓ اور عباسؓ؟

اے ابوالحسنؓ! آپ ہاتھ بڑھائیں میں آپ کی بیعت کرتا ہوں مگر علیؓ نے اس کی بات نہ مانی تو ابوسفیانؓ نے اس وقت کی مثال میں ملتمس کے یہ اشعار پڑھے: (ترجمہ)

سوائے ان دو ذلیلوں، قبیلے کے گدھوں اور خیمے کی میخ کے، اور کوئی دوسرا ظلم کو آسانی سے برداشت نہیں کرتا ۔ میخ پر جب ضرب لگائی جاتی ہے تو اس کا سر دبتا چلا جاتا ہے اور گدھا اپنے بار کی وجہ سے کراہتا ہے مگر کوئی اس پر رحم نہیں کرتا ۔

علیؓ نے ابوسفیانؓ کو ڈانٹا اور کہا: اس تجویز سے تیرا مقصد صرف فتنہ وفساد برپا کرنا ہے تو نے ہمیشہ اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے ہمیں تیری اس نصیحت کی ضرورت نہیں ہے ۔ ......

ابوبکرؓ کی بیعت کے بعد ابوسفیانؓ نے علیؓ اور عباسؓ سے کہا کہ: تم دونوں ذلیل ہو کہ اس موقع پر خاموش ہو اور پھر یہ شعر اس موقع کی مثال میں پڑھے ۔ (ترجمہ)

صرف شہری گدھا ذلت کو برداشت کر لیتا ہے مگر شریف اور جواں مرد اسے برداشت نہیں کرتا ۔

اور سوائے بستی کے گدھے اور میخ کے کوئی ظلم کو آسانی سے برداشت نہیں کرتا ۔ میخ پر جب ضرب

پڑتی ہے تو اس کا سر دب جاتا ہے اور گدھا اپنے بار کی وجہ سے کراہتا ہے مگر کوئی اس پر رحم نہیں کرتا۔

قارئین کرام! یہ ہے امام طبری کی منقولہ اصل روایت جسے حضرت ابوسفیانؓ کی دشمنی میں شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا صاحب نے صحیح سمجھ کر مختصراً بیان کیا۔ معلوم نہیں کہ موصوف کس طبقے کی وکالت اور ترجمانی کا فریضہ ادا کر رہے ہیں کیونکہ یہ مشن شیعوں، رافضیوں اور سبائیوں کے علاوہ کسی سنی کا تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔

جس داستان کی بنیاد پر سیدنا ابوسفیانؓ کو اسلام اور مسلمانوں کا دشمن قرار دیا گیا ہے وہ روایتاً اور درایتاً ہر اعتبار سے باطل ہے۔ جس کے "اصل" راوی محمد بن جریر طبری ہیں جن کا مختصر تعارف زیر نظر کتاب کے آغاز میں گزر چکا ہے جبکہ ان کے مفصل اور جامع تعارف کے لئے راقم الحروف کی تہلکہ خیز کتاب "امام طبری ___ حیات وخدمات" کی طرف مراجعت فرمائیں۔

"شاہین" ختم نبوت مولانا اللہ وسایا کا بیان کردہ یہ واقعہ لغو، بے بنیاد اور یقیناً کسی سبائی کا گھڑا ہوا ہے۔ اسے صحیح تسلیم کرنے سے نہ صرف حضرت ابوسفیانؓ بلکہ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی توہین بھی لازم آتی ہے۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کیا حضرت علیؓ ایک عمر رسیدہ شخص سالار قریش اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خسر (جن کی شرعاً تعظیم وتکریم لازم ہے) کو "اسلام دشمن اور منافق" کہہ سکتے تھے؟ کیا وہؓ ایسے عظیم المرتبت شخص جن کے گھر کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر "دارالامن" قرار دیا تھا (من دخل دار ابی سفیان فهو امن) صحیح مسلم کتاب الجہاد۔ باب فتح مکہ) ان کی زجر وتوبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ کر سکتے تھے؟

حضرت ابوسفیانؓ کی عزت وتکریم ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہؓ کے والد بزرگوار، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خسر ہونا اور سب سے بڑھ کر ایک صحابی رسول کی حیثیت سے ہر مسلمان پر واجب ہے۔

حضرت ابوسفیانؓ نے اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں غزوات میں شرکت کی۔ غزوہ طائف میں تو ان کی ایک آنکھ اپنے مقام سے باہر آ گئی۔ اس موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "آپ چاہیں تو میں اللہ سے دعا کرتا ہوں، آپ کی آنکھ ٹھیک ہو جائے گی اور اگر آپ چاہیں تو بدلے میں جنت ملے گی۔ حضرت ابوسفیانؓ نے عرض کیا کہ: مجھے جنت چاہئے۔

"ان شئت دعوت فردت اليك و ان شئت فالجنة ۔ قال: الجنة يعنى اختار الجنة" (الاصابه تحت صخر بن حرب جلد ۲ ص ۱۷۹)

پھر جنگ یرموک میں دوسری آنکھ بھی شہید ہوگئی اس کے بعد بھی جس شخص کی زبان سے حضرت ابوسفیانؓ کی توہین و تنقیص ہوتو اس پر اللہ کی پھٹکار ہو۔

اس موقع پر اگر ان کا کوئی ''جیالا'' یہ تاویل کرے کہ مولانا اللہ وسایا صاحب نے اپنے خطاب میں یہ واقعہ سنایا ہے انہوں نے ''ایک آدمی کہا'' ابوسفیانؓ کا نام تو نہیں لیا۔ ہم بھی ''نام'' کا اظہار نہیں کرتے اور بے نام لئے کہتے ہیں کہ جو بھی حضرت ابوسفیانؓ کی توہین و تنقیص کا مرتکب ہو۔ ع

اللہ کی ہو پھٹکار ان پر ہم سو بار کہتے ہیں

شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا نے اسی مقام پر اور اسی ''خطاب'' میں آگے چل کر یہ ''گوہرافشانی'' بھی فرمائی کہ:

''جہاں تک اہل سنت والجماعت کے عقیدے کا تعلق ہے کہ جس دن علی المرتضیٰؓ خلیفہ ہوئے اس وقت کل روئے زمین پر آپ کا کوئی ہمسر نہیں تھا۔ افضل و اعلیٰ شان حضرت علیؓ کی۔ اس وقت تمام صحابہؓ تابعین پورا مدینہ طیبہ بھی ''معاویہ'' بن جاتا تو تب بھی علی المرتضیٰؓ کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا...... میں ان تفصیلات میں نہیں جانا چاہتا......

میں یزید کو گالی نہیں دیتا، اس پر فتویٰ نہیں لگاتا لیکن اپنے ایمان کی بات ضرور کہتا ہوں کہ یزید زیادہ سے زیادہ تاریخ کا حصہ ہوگا، حسینؓ تو ایمان کا حصہ ہیں۔ آج میرے سامنے دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ اگر یزید کو برا کہیں گے تو حضرت معاویہؓ پر حرف آئے گا۔

بندگان خدا کیوں دھوکہ دیتے ہو۔ اگر نوحؑ کے بیٹے کے غلط ہونے پر حضرت نوحؑ کی نبوت پر اعتراض نہیں آسکتا، اگر ابولہب اور ابوجہل کے غلط ہونے سے حضورؐ کی نبوت پر اعتراض واقع نہیں ہوسکتا تو یزید کو غلط کہنے سے سیدنا معاویہؓ کی صحابیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیوں دھوکا دیتے ہو خلق خدا کو کہ انہوں (صحابہؓ) نے بیعت کی تھی۔

ذرا مجھ سے بھی پوچھ یزید کے والد کا نام بھی معاویہ ہے، یزید کے بیٹے کا نام بھی معاویہ ہے، یزید کے مرنے کے بعد یزید کا بیٹا جس کا نام معاویہ تھا اس نے صحابہ کرامؓ کی بھری مجلس میں کہا، مجلس کے اندر کہا کہ: ''مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ میرا باپ یزید جن گناہوں کی گٹھڑی اپنے سر پر اٹھا کر گیا ہے یہ اللہ کے حضور کیا جواب دے گا۔''

(یزید کے) بیٹے نے کہا: آج (یزید کے) پوتے پتہ نہیں کیا کہتے ہیں ''گدھے کہیں کے، نہ دین کے، نہ دنیا کے، خسر الدنیا والآخرۃ''......

(خطاب کے آخر میں فرمایا:) میری بات ختم ہوئی۔اب آپ مجھ سے سوال کریں کہ مولوی صاحب آپ کا موضوع تو ختم نبوت ہے۔آپ نے کیا بحث شروع کردی؟ میں کہتا ہوں مرزا قادیانی نے بھی حسینؓ کو گالی دی تھی آج کوئی بدنصیب بھی حسینؓ کو گالی دے گا تو میں دونوں کے راستے میں رکاوٹ کھڑی کروں گا اس لئے کہ ہم حسینؓ کے ساتھ ہیں۔"

شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا کی یہ تقریر سن کر یقین نہیں آتا کہ موصوف نے یہ "مجلس شریف" کسی مسجد میں پڑھی ہوگی کیونکہ اس طرح کی مجلسیں تو "امام باڑوں" میں ہی پڑھی اور سنی جاتی ہیں۔مگر حویلیاں وا یبٹ آباد اور خود "مجلس خواں" کے ساتھ آئے ہوئے مرکزی مبلغ (جنھوں نے ان سے پہلے خطاب بھی کیا تھا) مولانا قاضی احسان احمد سمیت تمام شرکاء اس بات کے شاہد ہیں کہ یہ "مجلس شریف" مسجد میں ہی پڑھی گئی۔معلوم نہیں کہ اس "امام باڑوی" مجلس میں "مجلس خواں" نے حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کا باہمی تقابل کیوں کیا؟ حضرت علیؓ کا تو ذکر ہی کیا وہ تو بعد از ثلاثہؓ سب سے افضل ہیں بلکہ حضرت معاویہؓ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے ہزاروں صحابہ (سابقین اولین من المہاجرین والانصار) بھی حضرت معاویہؓ سے افضل ہیں۔مگر اس فرق کے باوجود وہ خود بھی قبل از فتح مکہ کے مسلمانوں میں شامل ہونے کی بناء پر اپنے بعد تمام اسلام قبول کرنے والوں سے یقیناً افضل ہیں۔اس "تقابل" کی ضرورت تو اس وقت پیش آسکتی تھی جب کسی نے اس طرح کا کبھی کوئی دعویٰ کیا ہوتا۔

حضرت معاویہؓ خود حضرت علیؓ کی محض فضیلت ہی نہیں بلکہ "افضلیت" کے قائل تھے۔جب انہیں حضرت علیؓ کی شہادت کی اطلاع ملی تو خود شدید زخمی ہونے کے باوجود کلمہ استرجاع پڑھنے کے ساتھ ساتھ بے اختیار رونے لگے۔ان کی اہلیہ کہنے لگیں کل ان سے لڑتے رہے ہو اور "الیوم تبکی علیہ" آج ان پر روتے ہو تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا: "ویحك انك لا تدرين ما فقدالناس من الفضل والفقه والعلم" افسوس ہے تجھ پر تجھے کیا خبر کہ آج لوگوں نے کس قدر علم و فضل اور فقہ کو کھو دیا ہے؟ (البدایہ والنہایہ جلد۸ ص ۱۳۰)

جب اس قسم کا کوئی دعویٰ سرے سے موجود ہی نہیں تو پھر "مجلس خواں" نے یہ ہتک آمیز تقابل کیوں کیا کہ "اس وقت تمام صحابہؓ تابعین، پورا مدینہ طیبہ بھی "معاویہ" بن جاتا تو تب بھی علی المرتضیٰؓ کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا" اس "تقابل" میں حضرت معاویہؓ کی صریح توہین پائی جاتی ہے۔کیا حضرت معاویہؓ کی توہین و تنقیص کے بغیر حضرت علیؓ کی فضیلت نہیں بیان کی جاسکتی؟

شاہین ختم نبوت شدید غصے کے عالم میں فرماتے ہیں کہ:

""آج میرے سامنے دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ اگر یزید کو برا کہیں گے تو حضرت معاویہؓ پر حرف آئے گا، بندگان خدا کیوں دھوکہ دیتے ہو حضورؐ کی امت کو۔ اگر نوحؑ کے بیٹے کے غلط ہونے پر (نوحؑ کی) نبوت پر اعتراض نہیں آسکتا، اگر ابولہب اور ابوجہل کے غلط ہونے سے حضورؐ کی نبوت پر اعتراض واقع نہیں ہوسکتا تو یزید کو غلط کہنے سے سیدنا معاویہؓ کی صحابیت پر بھی کوئی اثر نہیں پڑتا......""

""شدید غصے"" میں اسی طرح کے ""استدلال"" کی توقع ہوسکتی ہے۔ ""مجلس خواں"" نے ""کنعان، ابولہب اور ابوجہل"" کی جو مثالیں ""تحدی"" کے ساتھ بطور دلیل پیش کی ہیں انہیں سن کر ""شرکاء مجلس"" پر بھی (الا ماشاء اللہ) یقیناً وجد طاری ہوگیا ہوگا۔ فاسد اور باطل قیاس کی اس سے بڑھ کر ""شاید"" ہی کوئی مثال پیش کی جاسکے۔

سخت حیرت ہے کہ جو دلیل چودہ سو سال کے بعد موصوف کو سوجھی، یزید کے معاصر صحابہؓ و تابعینؒ سب کے سب ہی اس سے لاعلم رہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ زیادہ سے زیادہ ایک گناہ گار مومن (یعنی یزید) کو اللہ کے گھر میں منبر رسولؐ پر بیٹھ کر ""علماء"" کی موجودگی میں کنعان، ابولہب، ابوجہل (جن کا کفر نص قطعی سے ثابت ہے) کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

ہر دور میں مسلمانوں کا ""جمہور"" یزید کے ایمان کا قائل رہا ہے۔ اگر یزید بفرض محال کافر ہوتا تو پھر صحابہؓ و تابعین پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک ""کافر"" کو اقتدار سے الگ کیوں نہ کیا تھا؟ حالانکہ پاکستان جیسے ملک کے آئین میں بھی اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ کوئی غیر مسلم اور کافر ملک کا سربراہ نہیں بن سکتا۔

مولانا اللہ وسایا نے جمہور اہل سنت کے برعکس موقف اختیار کر کے یزید کو کفار کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ جس سے حضرت معاویہؓ کی صحابیت کسی طور پر بھی محفوظ نہیں رہ سکتی۔ حضرت نوحؑ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غیر مسلم اقارب کا مقابلہ کیا ہے انہیں امت پر ""مسلط"" نہیں فرمایا اور نہ ہی ابولہب و ابوجہل کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تربیت رہے ہیں اس لئے ان کی نبوت پر اعتراض وارد نہیں ہوسکتا۔

کیا حضرت معاویہؓ کی برأت کے لئے قرآن مجید کا بیان کردہ یہ اصول ناکافی تھا کہ:

"لا تزر وازرة وزر اخرىٰ" ہر شخص اپنے اعمال و افعال کا خود ذمہ دار ہے لہٰذا کسی کا بوجھ دوسرے پر نہیں ڈالا جاسکتا۔

مگر صد افسوس کہ موصوف کھلے عام ایک بالکل خلاف حقیقت بات بیان کر کے نہ صرف

یزید کی ''تکفیر'' بلکہ حضرت معاویہؓ کی توہین وتنقیص کے بھی مرتکب ہوگئے۔

شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا کا غصہ ابھی بھی ٹھنڈا نہیں ہوا اور اپنا ''بیان'' جاری رکھتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں کہ:

کیوں دھوکا دیتے ہو خلق خدا کو کہ انہوں (صحابہؓ) نے بیعت کی تھی۔

ذرا مجھ سے بھی پوچھ یزید کے والد کا نام بھی معاویہ ہے، یزید کے بیٹے کا نام بھی معاویہ ہے، یزید کے مرنے کے بعد یزید کا بیٹا جس کا نام معاویہ تھا اس نے صحابہ کرامؓ کی بھری مجلس میں کہا، مجلس کے اندر کہا کہ: ''مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ میرا باپ یزید جن گناہوں کی گٹھڑی اپنے سر پر اٹھا کر گیا ہے یہ اللہ کے حضور کیا جواب دے گا۔''

(یزید کے) بیٹے نے کہا: آج (یزید کے) پوتے پتہ نہیں کیا کہتے ہیں ''گدھے کہیں کے، نہ دین کے، نہ دنیا کے، خسر الدنیا والآخرۃ'' ......

موصوف کو سبائیوں کے ساتھ اتحاد اور اٹھک بیٹھک کا بہت فائدہ ہوا کہ ان کی ٹکسال میں تیار کردہ ''روایات وحکایات'' ان کے ہاتھ لگ گئیں اور اللہ کے گھر میں منبر رسولؐ پر بیٹھ کر جھوٹے واقعات بیان کرنے سے اس عمر میں بھی ذرہ برابر نہ شرمائے۔ کاش کہ موصوف پورا واقعہ مع سند بیان کردیتے یا اس کتاب کا کچھ ''اتہ پتہ'' ہی بتا دیتے کہ انہیں یہ ''الہام'' کہاں سے ہوا؟

یزید کا بیٹا معاویہ، یہ کہہ رہا ہے کہ ''وہ گناہوں کی گٹھڑی سر پر اٹھا کر گیا ہے، آج پوتے پتہ نہیں کیا کہتے ہیں گدھے کہیں کے، نہ دین کے، نہ دنیا کے''

جس طرح ''شاہین ختم نبوت'' نے بزعم خود حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے خلاف سازش کرنے والے اور امت میں نفاق وتفرقہ ڈالنے والے (حضرت ابوسفیانؓ) کا نام جاننے کے باوجود نہیں لیا اور تحریف وتدلیس کے ساتھ واقعہ بیان کردیا اسی طرح انہوں نے یہاں بھی وہی گل کھلایا کہ ۶۴ھ کے ایک واقعہ کو خود اپنی ''سند'' سے آگے چلادیا۔

اگر وہ حضرت ابوسفیانؓ کا نام لیتے یا امام طبری کا حوالہ دے دیتے تو سامعین التاثر لے سکتے تھے اس لئے انہوں نے نام کو مخفی رکھا اسی طرح انہوں نے اپنی تقریر کے آخر میں بھی ادھورا واقعہ نقل کر کے اسے صحیح نہ تسلیم کرنے والوں پر یہ ''طنزیہ پھبتی'' بھی کس دی کہ ''گدھے کہیں کے۔ نہ دین کے نہ دنیا کے، خسر الدنیا والآخرۃ''

آیئے دیکھتے ہیں کہ مذکورہ ''طنزیہ پھبتی'' کا اصل حقدار کون ہے؟

معاویہ بن یزید خطبہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

"و انّ جدّی معاویہ نازع الأمر أهله، و من هو أحق به منه: علی بن أبی طالب و رکب بکم ما تعلمون حتیٰ أتته منیته فصار فی قبره رهینا بذنوبه ثم قلد أبی الأمر و کان غیر أهل له و نازع ابن بنت رسول الله صلی الله علیه وسلم فقصف عمره و انبتر عقبه و صار فی قبره رهینا بذنوبه۔ ثم بکیٰ وقال: إن من أعظم الامور علینا علمنا بسوء مصرعه و بئس منقلبه و قد قتل عترة رسول الله صلی الله علیه وسلم و أباح الحرم و خرب الکعبة"

"(معاویہ بن یزید نے کہا:) میرے دادا معاویہؓ نے اس خلافت میں ان سے جھگڑا کیا جو اس خلافت کے اہل تھے اور ان سے زیادہ اس کے حق دار تھے اور وہ علیؓ بن ابی طالب ہیں اور آپ سب کو علم ہے کہ معاویہؓ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا؟ یہاں تک کہ اسے موت آ گئی اور وہ گناہوں کی گٹھڑی لئے اپنی قبر میں پہنچ گیا۔ پھر میرے باپ (یزید) نے خلافت کا معاملہ سنبھالا اور وہ بھی اس کا اہل نہیں تھا اس نے نواسۂ رسولؐ (حسینؓ) سے جھگڑا کیا اور اپنی زندگی گنوادی پھر اپنے گناہوں کا بوجھ لئے اپنی قبر میں پہنچ گیا۔

پھر وہ (معاویہ بن یزید) رونے لگے اور کہا: ہمارے لئے یہ بہت بڑی مصیبت ہے کہ ہمارے علم میں اس کا برا انجام اور بری عاقبت ہے اس نے نواسۂ رسولؐ کو قتل کیا، حرام کو حلال کیا اور کعبہ میں تخریب کاری کی۔"

قارئین کرام! یہ ہے وہ اصل اور پورا واقعہ جسے شاہین ختم نبوت نے اللہ کے پاک گھر میں منبر رسولؐ پر بیٹھ کر مخالفین کو یہ دہائی دیتے ہوئے کہ "بندگانِ خدا کیوں دھوکا دیتے ہو حضورؐ کی امت کو……، کیوں دھوکا دیتے ہو خلقِ خدا کو" انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ یہ باور کرا دیا کہ یزید کے خلاف اپنا ہی بیٹا گواہ بن کر میدان میں آ گیا۔ معلوم نہیں کہ اس "امام باڑوی" مجلس میں یہ "مجلس خواں" جب اپنی زبان سے بار بار یہ لفظ نکال رہا تھا کہ "کیوں دھوکا دیتے ہو حضورؐ کی امت کو، کیوں دھوکا دیتے ہو خلقِ خدا کو" تو اسے خود اللہ کا خوف کیوں محسوس نہیں ہوا؟

اگر مذکورہ واقعہ پورا نقل کیا جاتا تو اس کے جھوٹ کا پول تو وہیں کھل جاتا کہ اس میں تو پہلے حضرت معاویہؓ کو مجرم دکھایا گیا ہے۔ اس واقعہ کی ساخت خود بتا رہی ہے کہ یہ کسی سبائی کا گھڑا ہوا ہے۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ مولانا اللہ وسایا صاحب نے ماہنامہ لولاک میں صحابہ کرامؓ کی شدید ترین توہین پر مبنی ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کے بدبودار مضمون سے متعلق جو "ضروری اعتذار" شائع کیا تھا اس میں نفس مضمون کے حوالے سے کوئی تردید نہیں کی گئی بلکہ اس میں بھی موصوف نے تمام تر اپنی کارگزاری بیان کر کے علماء کرام اور قارئین کی آنکھوں میں دھول جھونکی ہے۔

دراصل یہ ''ضروری اعتذار'' بھی تقیہ اور نفاق کے پردوں میں لپٹا ہوا تھا کیونکہ بعد میں موصوف نے اپنی تقریر وتحریر میں جو رویہ حضرت ابوسفیان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے لئے روا رکھا وہ کسی طور پر بھی قابل اطمینان نہیں ہے۔ اس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

موصوف نے اس ''اعتذار'' میں ایک طرف تو یہ کہا کہ میں نے ڈاکٹر ندوی کا مضمون پڑھے بغیر لگا دیا تھا جبکہ دوسری طرف یہ فرما رہے ہیں کہ میں نے اسے سرسری اور سطحی نظر سے دیکھا اور بعض مقامات قلم زد بھی کئے۔ اس حذف و اضافہ کی کارروائی سے صاف طور پر معلوم ہو گیا ہے کہ موصوف نے اس مضمون کو بالاستیعاب مطالعہ کے بعد ہی اسے شامل اشاعت کیا ہے۔ علاوہ ازیں انہوں نے ''اعتذار'' میں جن ''اعذار'' کا ذکر کیا ہے تو ان کے متعلق ایک مبتدی طالب علم بھی جانتا ہے کہ ان کی پرکاہ کے برابر بھی کوئی دینی، علمی اور شرعی حیثیت نہیں ہے۔ بلکہ اس سے الٹا ان کا اپنا ''تساہل وتغافل'' ثابت ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کے ایک مضمون کو ''ہائی لائٹ'' کرنے کے لئے یہ جلی سرخی یا عنوان قائم کیا ہے جو اصل مضمون میں نہیں پایا جاتا:

''درحقیقت مصنف کو جو الجھن پیش آئی ہے اس کے دو اسباب ہیں'' ملاحظہ ہو ماہنامہ لولاک ص ۲۱، اکتوبر ۲۰۱۲ء۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ مضمون کے جس حصے پر مذکورہ عنوان قائم کیا گیا ہے اور جہاں سے دو سطریں حذف کی گئی ہیں اسی صفحہ میں وہ توہین آمیز مواد موجود ہے۔ اس کا صاف مطلب تو یہ ہے کہ موصوف کو حضرت ہند، حضرت ابوسفیان، حضرت معاویہ اور دیگر اموی صحابہ رضی اللہ عنہم کی توہین کے ساتھ ''اتفاق'' تھا۔ کیونکہ دو سال بعد بھی موصوف حضرت ابوسفیانؓ کے خلاف (صرف نام حذف کر کے) اللہ کے گھر میں منبر رسولؐ پر بیٹھ کر شرکائے ختم نبوت کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے وہی واقعہ بیان کر رہے ہیں جسے دو سال پہلے ماہنامہ لولاک کے اوراق کی زینت بنایا تھا۔

مذکورہ تفصیل سے شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا صاحب کے ''ضروری اعتذار'' کے تحت اس ''معصومانہ عذر'' کہ:

فقیر کے لئے یہ تمام معلومات نئی تھیں اپنی لاعلمی پر بہت ہی ترس آیا'' (ماہنامہ لولاک ص اندرون ٹائٹل نومبر ۲۰۱۲ء) کی حقیقت بھی واضح ہو گئی ہے۔

اموی صحابہ کرامؓ بالخصوص حضرت ابوسفیان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی توہین کے بعد اس بحث کے آخر میں مولانا اللہ وسایا صاحب کے ایک دوسرے ''خطاب'' کا ذکر کیا جاتا ہے جس میں نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا اظہار ایک انتہائی گھٹیا مثال کے ذریعے کیا گیا ہے ملاحظہ فرمائیں:

مولانا محمد رضوان عزیز ۱۲اپریل ۲۰۱۴ء کو جامعہ مدنیہ جدید لاہور میں منعقدہ "عظیم الشان، فقید المثال ختم نبوت کانفرنس" کی روداد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"انسانوں کا یہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر جذبات کا بحرنا پیدا کنار ایک خاص لگن اور شوق سے آج مورخہ ۱۲اپریل کو جامعہ مدنیہ جدید میں جمع تھا اور جامع کی وسیع وعریض زمین باوجود اپنی وسعت کے تنگ دامنی کا گلہ کر رہی تھی ......

دوسری نشست کی صدارت جامعہ مدنیہ کے مہتمم وشیخ الحدیث حضرت مولانا سید محمود میاں نے فرمائی اور سرپرستی امیر مرکزیہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی نے فرمائی۔ مہمان خصوصی میں وہ عظیم ہستیاں تھیں جو جانِ محفل ہوا کرتی ہے۔ حضرت پیرومرشد مفتی محمد حسن، پیر طریقت مولانا سعیدالحسن دہلوی، ڈاکٹر محمد اویس، مولانا محبّ النبی اور حضرت مولانا نعیم الدین ......مولانا عزیزالرحمٰن جالندھری مولانا قاضی احسان احمد، مولانا محمد یوسف خان، مولانا محمد رضوان عزیز، مولانا عبدالحق خان بشیر، مولانا عبدالرؤف فاروقی، مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی، مولانا عبدالشکور حقانی، سید محبوب شاہ گیلانی، مفتی محمد شاہد مسعود، مولانا عبدالشکور نقشبندی، مولانا سید عبدالمجید ندیم شاہ، مولانا اللہ وسایا، مولانا امجد خان، سید ضیاء اللہ شاہ بخاری، مفتی کفایت اللہ اور دیگر حضرات نے خطاب فرمائے۔ سب کے بیانات پُرمغز دل نشین تھے ......

مولانا اللہ وسایا کے وجد آفرین خطاب نے تو مجمع پر رقت طاری کردی۔ مولانا اللہ وسایا عمر کے جس حصے میں ہیں وہاں قانونِ فطرت اپنے جوبن دکھا رہا ہے۔ طبعی عوارض یہ اجازت نہ دیتے تھے کہ عہد گذشتہ کو آواز دے کر وہی حالت شباب کا ساز بجایا جاتا مگر آقا کی محبت جو رگ وریشے میں رچی بسی ہے اس نے وہ سب کہلوایا جو وقت کا تقاضا تھا، راہروانِ عشق ومستی کے لئے نشانِ منزل تھا۔ مولانا نے کیا خوب فرمایا:

"تیرے عشق نچایا کر کے تھیّا تھیّا"

ایک عہد تھا جو بیت گیا، ایک لمحہ تھا جو گزر گیا، کہنے والے حالِ دل کہہ کے رخصت ہوئے، سننے والے دردِ دل لے کر روانہ، آقا کی ختم نبوت کا ترانہ گونجا اور صبح قیامت تک اس کی بازگشت سنائی دیتی رہے گی" (ماہنامہ لولاک جون ۲۰۱۴ء ص ۵۰-۵۱)

مولانا محمد رضوان عزیز نے مولانا اللہ وسایا کے وجد آفرین خطاب کو "راہروانِ عشق ومستی"

کے لئے ''نشان منزل'' قرار دیا ہے اور اس کی خوب ''تحسین'' کرتے ہوئے اس تقریر کا مرکزی نقطہ ہی یہ مصرعہ قرار دیا کہ:

''تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا''

اس مرکزی نقطہ کا خاصہ ہی یہی ہے کہ جس ''مجمع'' میں بھی یہ ''گایا'' یا سنایا جائے تو اس مجمع پر ''رقت'' طاری ہو جایا کرتی ہے مگر اس کانفرنس کی روداد سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض حضرات پر یہ ''رقت'' ہی طاری نہیں ہوئی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان کے ''حواس'' بھی معطل ہو گئے۔ ۱۲ اپریل ۲۰۱۴ء کو کانفرنس کا انعقاد ہوا اور جون کے شمارے میں یہ روداد شائع ہوئی۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے قائدین، ادارۂ لالاک اور شرکائے کانفرنس کو اس طویل دورانیے میں یہ احساس تک نہ ہوا کہ مولانا اللہ وسایا صاحب نے ایک انتہائی گھٹیا ''مصرعہ'' کے ذریعے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار کیا۔ کانفرنس کی ''روداد'' کے مرتب مولانا محمد رضوان عزیز نے بجا طور پر اس مصرعہ یعنی ''تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا'' کو ''رہروانِ عشق و مستی'' کے لئے نشانِ منزل قرار دیا۔ البتہ اسے گانے کے لئے موقع و محل اور جگہ و مقام کا انتخاب صحیح نہیں ہوا۔ کیونکہ اس مصرعہ کے شایان شان پروگرام کے لئے کوئی ''نائٹ کلب'' یا ''سینما ہال'' ہی مناسب رہتا ہے۔ تعجب بالائے تعجب یہ کہ جو گھٹیا مصرعا ایک محدود حلقے اور چند ہزار کے مجمع میں ''گایا'' گیا اسے ادارہ لولاک نے اپنے ماہنامے میں شائع کر کے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ پھر انٹرنیٹ پر ''اپ لوڈ'' کرنا اس پر مستزاد ہے۔ کیونکہ اس سے بڑھ کر ''عشق و مستی'' والوں کے لئے اور کوئی نشانِ منزل نہیں ہو سکتا۔

اس ''مصرعہ'' کا تاریخی پس منظر بیان کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لفظ ''عشق'' کی تعریف نذرِ قارئین کر دی جائے۔

''عشق'' عربی زبان کا لفظ ہے مگر قرآن اور حدیث کے وسیع ذخیرے میں یہ لفظ استعمال نہیں ہوا اس لئے اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس گھٹیا لفظ کا استعمال جائز نہیں ہے۔ امام ابن تیمیہؒ نے اسے اللہ تعالیٰ یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں استعمال کرنے کو ''بدعت وضلالت'' قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو: مجموع الفتاویٰ جلد ۵ ص ۴۳۔

موصوف ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:

''وھو من الامراض التی تفسد دین صاحبھا، و عرضہ ثم قد تفسد عقلہ ثم جسمہ''(مجموع الفتاویٰ جلد ۱۰ ص ۱۳۱)

یہ ان امراض میں سے ہے جو آدمی کے دین اور اس کی عزت کو خراب کر دیتے ہیں بلکہ کبھی

اس کی عقل اور جسم کو بھی خراب کر دیتے ہیں۔

حافظ ابن قیم لکھتے ہیں کہ:

"و لا یحفظ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم لفظ العشق فی حدیث صحیح البتہ" (زاد المیعاد جلد ۴ ص ۲۵۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لفظ "عشق" کسی صحیح حدیث میں قطعاً محفوظ نہیں۔

قاضی محمد سلمان منصور پوری لکھتے ہیں کہ:

غزلیات وادبیات کے شیدا لفظ عشق کا استعمال اکثر کیا کرتے ہیں۔ قرآن مجید اور احادیث پاک کے ماہرین سے یہ امر مخفی نہیں ہے کہ ہر دو کلام پاک میں لفظ عشق کا استعمال نہیں ہوا ہے۔ قاموس میں ہے:

"الجنون فنون، والعشق من فنّہ یستجلبہ المرء علی نفسہ باستحسان بعض الصور و الشمائل" یعنی جنون کے بہت سے اقسام میں عشق بھی جنون کی ایک قسم ہے۔ اس مرض کو انسان اپنے نفس پر بعض صورتوں یا خصلتوں کے اچھا سمجھ لینے سے خود وارد کر لیا کرتا ہے۔ (سیرت رحمۃ اللعالمین جلد دوم ص ۲۳۶۔ باب ہفتم "حب النبی")

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لفظ "عشق" کا استعمال درست نہیں ہے کیونکہ یہ ایک ایسی خصلت ہے جو جنون کی قسم میں سے ہے۔ کفار نے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ

"انک لمجنون" (الحجرات آیت ۶) یقیناً تو تو کوئی دیوانہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس الزام کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"ما بصاحبھم من جنۃ" (الاعراف آیت ۱۸۴)

ان کے ساتھی کو ذرا بھی جنون نہیں۔

"ما بصاحبکم من جنۃ" (سبا. آیت ۴۶)

تمہارے اس رفیق کو، کوئی جنون نہیں۔

"ما انت بنعمۃ ربک بمجنون" (القلم آیت ۲)

آپ اپنے رب کے فضل سے دیوانہ نہیں ہیں۔

"وما صاحبکم بمجنون" (التکویر آیت ۲۲)

اور تمہارا ساتھی دیوانہ نہیں ہے۔

''عشق'' شہوت اور ہوس کے گرد دیوانہ وار گھومنے والا ایک بازاری لفظ ہے غالبؔ نے اسے دماغ کا خلل قرار دیا تھا۔ یہ لفظ ایرانی شاعری سے اردو میں آیا، یہ ایک مرض ہے جو ہوا وہوس کے جلو میں پروان چڑھتا ہے یہ صرف نفسانی تسکین کا طلبگار رہتا ہے۔ آج بھی کوئی شخص اپنی ماں، بہن اور بیٹی کے لئے عشق اور عاشق کا لفظ ایک لمحے کے لئے بھی گوارا نہیں کرتا بلکہ سنتے ہی اس کے رگ وپے میں غیرت کی بجلیاں کوندنے لگ جاتی ہیں۔

معلوم نہیں کہ یہ گھٹیا اور بازاری لفظ شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا جیسے اہل علم نے ''عشق ومستی'' میں ڈوب کر مشائخ طریقت، شیوخ حدیث اور علماء حق کی موجودگی میں ختم نبوت کانفرنس کے شرکاء سے خطاب کرتے ہوئے کیوں استعمال کیا؟ موصوف اگر اس موقع پر صرف ''عشق'' کا لفظ ہی استعمال کرتے تو پھر بھی اس کے گھٹیا اور بازاری ہونے میں کوئی شک نہیں تھا مگر انہوں نے جو مصرعہ سنایا گیا (''تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا'') وہ تو اکثر نائٹ کلبوں اور سینما ہالوں میں گلوکاراؤں کی زبانی گایا جاتا رہا ہے۔ سخت حیرت ہے کہ موصوف نے اس سے ''محبت رسولؐ'' کیوں کر مراد لے لی؟ کیا ہمارے اکابر یہ ''مصرعہ'' سنا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار فرماتے تھے یا ان کے ارشادات کی اتباع کر کے؟

''تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا''

دراصل یہ ایک ''کافی'' تھی جو بلھے شاہ نے اپنے پیر شاہ عنایت کو ''منانے'' کے لئے ایک ''مغنیہ'' (یعنی گانے والی) کا روپ دھار کر ایک خاص مجمع میں گائی تھی۔

بلھے شاہ (۱۰۸۱ھ ۱۱۷۱ھ) حسنی، حسینی اور قادری سید تھے جبکہ ان کے پیر شاہ عنایت ارائیں خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ جس کی وجہ سے اہل خاندان اس رابطہ کو اپنے خاندانی وقار کے خلاف سمجھتے تھے جیسا کہ موصوف خود اس کا یوں اظہار کرتے ہیں کہ:

بلھے نوں سمجھاون آئیاں بھیناں تے بھرجائیاں
آل نبی، اولاد علی دی توں کیوں لیکاں لائیاں

بلھے شاہ کے مرشد شاہ عنایت کا مقام ملاحظہ فرمائیں:

''حضرت بلھے شاہ کو ایک دفعہ حب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا بے تاب کیا کہ ان کا جی چاہا یک دم مدینہ منورہ جا کر روضۂ اقدسؐ سے جا لپٹوں۔ آخر مرشد کامل شاہ عنایت کی خدمت میں اپنا مدعا بیان کیا۔ آپ نے پوچھا کیوں جاتے ہو؟ بلھے شاہ نے جواب دیا کہ نبیؐ کا فرمان ہے ''جس نے میری قبر کی زیارت کی گویا اس نے مجھے زندہ دیکھا'' مرشد نے فرمایا: تین دن کے بعد

جواب دیں گے۔

بلھے شاہ مرشد کی خدمت میں ٹھہر گئے۔ تیسرے روز خواب میں سرورِ دو عالم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا: اپنے مرشد کو لاؤ۔ آپ فوراً بلا لائے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت شاہ عنایت کو اپنے دائیں پہلو میں بٹھالیا۔

بلھے شاہ نے نظر اٹھائی تو مرشد کو بھی حضرت رسول اکرمؐ کا ہم شکل پایا اور بالکل تمیز نہ کر سکے کہ ان میں سے مرشد کون ہے؟ اور آنحضرتؐ کون ہیں؟ اسی حیرت میں آنکھ کھل گئی، گھبرائے ہوئے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ نماز تہجد ادا کر کے مراقبہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک لمحہ کے بعد سر اٹھایا اور فرمایا: اب تمہارا مقصد حل ہو گیا؟ حضرت بلھے شاہ نیازمندانہ مرشد کے قدموں میں گر پڑے۔ حضرت مرشد سے عقیدت کا اظہار یوں کرتے ہیں:

بلھا شوہ دی ذات نہ کائی میں شوہ عنایت پایا ہے

یعنی اے بلھا! اللہ کی کوئی ذات نہیں ہے۔ اپنے پیر عنایت شاہ میں اللہ کا جلوہ نظر آتا ہے۔

عنایت دم دم نال چتا ریا سانوں آمل یار پیا ریا

ہر سانس کے ساتھ ہم نے پیر عنایت کا نام لیا۔ اے محبوب میرے پاس آجا۔

بلھے نوں لوگ متیں دیندے بلھیا توں جا بوہ مسیتی
وچ مسیتاں کہیہ کچھ ہندا جے دلوں نماز نہ نیتی
باہروں پاک کیتے کہیہ ہندا جے اندروں نہ گئی پلیتی
بن مرشد کامل بلھیا تیری اینویں گئی عبادت کیتی

یعنی بلھے کو لوگ نصیحت کرتے ہیں کہ اے بلھیا تو مسجد میں ڈیرا لگا دے لیکن مسجد میں بیٹھنے سے کیا حاصل ہو گا۔ اگر خلوص سے نماز ادا نہ کی گئی تو بیرونی جسم پاک کرنے سے کیا ملے گا اگر دل سے گندگی دور نہ کی جائے۔

مینوں عشق ہلارے دیندا منہ چڑھیا یار بلیندا
کتے شیعہ اے کتے سنی اے کتے جٹا دھاری کتے منی اے
میری سب سے فارغ کنی اے جو کہاں سویا منیندا

یعنی میں عشق کے جھولے میں جھول رہا ہوں میری زبان پر جو نام جاری ہے وہ مجھے بلا رہا ہے۔ کہیں شیعہ ہے کہیں سنی ہے کہیں لمبے بالوں والا سادھو ہے کہیں کس کا سر منڈا ہوا ہے لیکن

میری ہنڈیا ان سے الگ ہے جو اللہ سے طلب کرتا ہوں وہ مجھے دے دیتا ہے۔

یہی نہیں کہ بلھے شاہ نے یہاں ''اہل سنت'' سے برأت کا اعلان کیا ہے بلکہ ان کی نظر میں ہندو، مسلمان میں بھی کوئی فرق نہیں تھا۔

۲۰۰۴ء میں قصور میں بلھے شاہ کا تین روزہ سالانہ عرس شروع ہوا جس میں شرکت کے لئے بھارت سے ۹۵ رکنی وفد بھی آیا ہے جس میں تمام شعبہ ہائے زندگی کے لوگ شامل تھے۔ کیونکہ بلھے شاہ کی نظر میں ہندو، مسلمان میں کوئی فرق نہیں تھا۔ اگلی کہانی ''سر راہے'' کے کالم نگار کی زبانی پڑھیں:

کتے رام داس کتے فتح محمد ایہو قدیمی شور مٹ گیا دوہاں دا جھگڑا نکل پیا کچھ ہور

میری بکل دے وچ چورنی میری بکل دے وچ چور

یعنی مسلمان اور ہندو میں صرف نام کا جھگڑا ہے ورنہ خدا نہ مسلمان ہے نہ ہندو۔ صرف ان لوگوں نے اسے مختلف نام دے رکھے ہیں۔

بلھے شاہ ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ:

نہ میں مومن وچ مسیتاں نہ میں وچ کفر دیاں ریتاں

نہ میں پاکاں وچ پلیتاں نہ میں موسیٰ نہ فرعون

بلھیا کیہ جاناں میں کون؟

یعنی موسیٰ میں بھی اللہ موجود ہے اور فرعون میں بھی اللہ ہی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بھارتیوں کا وفد پاکستان آرہا ہے تاکہ وہ ہمیں بتا سکے کہ مذہب کے نام پر الگ وطن بنانا ہماری غلطی تھی ورنہ ہندو اور مسلمان اصل میں ایک ہی ہیں۔ اسے کہتے ہیں۔

نیا جالا لائے پرانے شکاری

(روزنامہ نوائے وقت۔ ''سر راہے'' ۱۲۸ گست ۲۰۰۴ء)

بلھے شاہ اور ان کے مرشد کے مذکورہ تعارف کے بعد:

''تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا'' کا پس منظر ملاحظہ فرمائیں:

ایک دفعہ بلھے شاہ اپنے استاذ حافظ غلام مرتضیٰ کی بیٹی کی شادی کے موقع پر استاذ کی طرف سے مہمانوں کی دیکھ بھال کی خدمت پر مصروف تھے۔ حسنِ اتفاق ان کے مرشد شاہ عنایت لاہوری کے حقیقی بھتیجے اور داماد مولوی ظہور محمد صاحب خاص طور پر ملنے آئے۔ بلھے شاہ کو مہمان خصوصی کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اپنے ایک درویش کو ہدایت کی کہ ان کی خاطر مدارات میں کوئی

کسر نہ اٹھا رکھی جائے اور فرمایا کہ مہمانوں سے فارغ ہو کر میں ان کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ اتفاق سے بلّھے شاہ تمام رات شادی کے کام سے فرصت نہ پا سکے۔ ادھر مولوی ظہور محمد صاحب اپنی جگہ ہمہ تن منتظر رہے مگر بلّھے شاہ نہ آئے تو وہ مایوس ہو گئے۔

صبح ہوئی تو مولوی ظہور محمد صاحب بلا اطلاع لاہور واپس چلے گئے اور اپنے خسر سے بلّھے شاہ کی بے اعتنائی کی شکایت کی۔ حضرت شاہ عنایت نے بھی اپنے مرید کی غیر متوقع بے رخی کو سخت ناپسند کیا اور جلالت میں آ کر بلّھے شاہ کو اپنے روحانی فیض سے محروم کر دیا۔

بلّھے شاہ بڑی دقتوں کے بعد اپنے مرشد شاہ عنایت کے شطاری سلسلہ کے بزرگ شیخ محمد غواث گوالیاری کے مقبرہ پر حاضر ہوئے جو قلعہ گوالیار میں واقع ہے۔ اور قریب ہی ہند کے نامور راگی تان سین کا مرقد بھی ہے۔ خواب میں آپ کو شیخ محمد غوث گوالیاری کی زیارت ہوئی جنہوں نے آپ کو عرفان کی دولت بخشی اور تان سین کی قبر پر بیری کے ڈھائی پتے کھانے کی ہدایت فرمائی۔ صبح آپ نے حسب فرمان تان سین کی قبر پر درخت سے پتے کھائے جس سے آپ میں موسیقی کا کمال پیدا ہو گیا اور آپ کی طبیعت کو سکون حاصل ہوا۔ گوالیار سے آپ قصور آئے اور ایک دن ٹھہر کر لاہور چلے گئے، وہاں ان قوالوں سے ملے جو حضرت شاہ عنایت کی محفل میں عارفانہ کلام گایا کرتے تھے۔ آپ نے انہیں بتایا کہ آپ مغنیہ کے بھیس میں اپنے پیر کی بارگاہ میں رسائی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

قوالوں نے حضرت شاہ عنایت کے فرضی ہندوستانی مغنیہ کے فن موسیقی کی بہت تعریف کی اور پیش کرنے کی اجازت چاہی۔ حضرت شاہ عنایت بولے ہم اس مغنیہ کو خوب جانتے ہیں اور جمعہ کے دن سماع کی اجازت دے دی۔ بلّھے شاہ بہت خوش ہوئے۔ جمعہ کے روز آپ نے مغنیہ کا بھیس بدلا اور قوالوں کے ساتھ مرشد کی محفل میں جا پہنچے۔

مرشد کے فراق میں آپ نڈھال ہو چکے تھے۔ قدم بوسی کی تمنا نے بے کل کر دیا تھا۔ جن مصائب کے ساتھ روٹھے پیر کو منانے کے لئے ہندوستان کا سفر کیا تھا اس سے آتش شوق اور بھی بھڑک اٹھی تھی۔

اس پر موسیقی کے فیض نے کلام میں سوز و درد کوٹ کوٹ کر بھر دیا اور بول کو جادو اثر بنا دیا تھا۔ پھر مرشد کو جلد از جلد منانے کا خیال بھی دل میں چٹکیاں لے رہا تھا لہٰذا آپ نے ایسے درد بھرے لہجہ میں گانا شروع کیا کہ ساری محفل تحسین و آفرین کی صداؤں سے گونج اٹھی۔ خود سازندوں نے بھی دل کی اس قدر گہرائیوں سے نکلے ہوئے بول کبھی نہیں سنے تھے۔

آپ نے محفل کا یہ رنگ دیکھا تو آپ اصل مقصد کی طرف آئے اور اپنی مشہور کافی گانا شروع کر دی:

تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا　　جھب وے بوہڑیں آ طبیبا
عشق ڈیرہ میرے اندر کیتا　　بھر کے زہر پیالہ پیتا
وچ انتظاری تیری رہیا　　تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا
جھب وے بوہڑیں آ طبیبا　　نہیں تاں میں مر گیاں
تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا　　تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا
بلھا، شاہ عنایت آئے میرے بوہے　　شکر کیتا اج اوہ میرے ہوئے
میں بھل گیاں تیرے نال نہ گیا　　تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا

یعنی تیرے عشق میں مجھے ناچنا پڑا۔اے مرشد جلد آ۔میرے اندر عشق نے ڈیرہ جمایا ہے اور یہ زہر کا پیالہ میں نے خود پیا ہے۔یہ بڑی کٹھن منزل ہے۔مجھے تیرا انتظار ہے۔بلھے شاہ، مرشد میرے دروازے پر آ گیا ہے میں نے شکر کیا کہ مجھے ان کا وصال نصیب ہوا۔

جب آپ کافیاں گا چکے تو حضرت شاہ عنایت نے مغنیہ سے پوچھا: تو بلھا ہے۔آپ نے کہا: میں ''بلھا'' نہیں ''بھلا'' ہوں یعنی بھولا، بھٹکا ہوا ہوں۔

پیر نے آپ کو گلے سے لگا لیا۔معرفت کا چھینا ہوا خزانہ واپس کر دیا اور کہا کہ اب یہ تمہاری مستقل دولت ہے۔اسے کوئی نہیں چھینے گا۔(بلھے شاہ مؤلفہ محمد شریف گلزار ص ۳۷ تا ۴۲۔ملخصاً۔مطبوعہ فیروز سنز لاہور۔اشاعت دوم ۱۹۷۸ء)

بلھے شاہ کی یہ کافی اور موسیقی اس قدر مشہور ہوئی کہ اس کے بعد ''معشوقاؤں'' نے روٹھے ''عاشقوں'' کو اس کافی اور موسیقی کے ساتھ خوب ناچ ناچ کر منانا شروع کر دیا۔پھر اس ''کافی'' کو گلوکارائیں فلموں، نائٹ کلبوں اور سینما ہالوں میں گاتی رہیں جن میں سے چند مشہور نام یہ ہیں:

عابدہ پروین، شاہدہ منی، عذرا جہاں، نصرت فتح علی خان، جاوید بشیر۔ملاحظہ ہو:

qausain.wordpress.com / www.theosufi.com/

www.punjabi-kavita

علاوہ ازیں پنجابی فوک سنگر ''جسبیر جسی'' نے بھی یہ کافی گائی اور پاپ راک بینڈ ''جال'' نے ۲۰۱۱ء میں ''کوک سٹوڈیو'' میں اس کافی کو گایا۔مزید برآں ۲۰۱۰ء میں ''تیرے عشق نچایا'' کے عنوان پر باقاعدہ ایک فلم بھی معرض وجود میں آ گئی۔مذکورہ لوگوں کے علاوہ مولانا اللہ وسایا صاحب واحد دینی شخصیت ہیں جنہیں ایک مذہبی راہنما ہونے کی حیثیت سے عظیم الشان اور

فقیدالمثال ختم نبوت کانفرنس میں ایک مغنیہ کے روپ اور لباس میں حضرت بُلھے شاہ کی ناچ کے دوران گائی ہوئی کافی کا مرکزی مصرعہ سنانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ مولانا رضوان عزیز نے تو ''کافی'' کا یہ مصرعہ پڑھنے یا سنانے پر انہیں خوب دادِ تحسین دی مگر اس طرح کے ''عشق'' کے اظہار سے عزت وشہرت کے بجائے ''نقصان'' ہی اٹھانا پڑتا ہے ۔

مجھ سا جہاں میں کوئی نادان بھی نہ ہو		کر کے عشق جو کہتا ہے نقصان بھی نہ ہو

''تیرے عشق نچایا'' کا مفہوم تو واضح ہے جبکہ اردو ڈکشنری میں ''تھئی تھئی'' (تھ۔ئی، تھ۔ئی) کا معنی ہے: تال، سم، تالی، آواز جو گوئیے نکالتے ہیں، گانا، ناچنا، ناچنے گانے کی آواز۔ تھاپ کی آواز۔ ملاحظہ ہو: فیروز اللغات اردو ص ۳۹۹۔

قارئین کرام! کہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا ایمانی اور پاکیزہ جذبہ اور کہاں ایک گھٹیا، بازاری اور سفلی جذبات کی عکاسی کرنے والی گلوکاراؤں اور گلوکاروں کی فلموں میں گائی ہوئی یہ کافی؟

اگر تمثیل میں محض ''عشق'' کا لفظ بھی آجاتا تو پھر بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت جائز نہیں تھی مگر ''تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا'' کی نسبت کو تو کسی لحاظ سے بھی صحیح نہیں کہا جاسکتا اور نہ ہی اس ''کافی'' کی کسی تاویل سے تائید کی جاسکتی ہے۔

کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے الفاظ کے چناؤ میں احتیاط ملحوظ نہیں رکھنی چاہئے۔ یہاں قائل کی ''نیت ومراد'' کا سہارا بھی نہیں لیا جاسکتا یہاں صرف ''عرف'' کا ہی اعتبار ہوگا۔ مولانا شاہ اسماعیل شہید فرماتے ہیں کہ: ''یہ بات محض بے جا ہے کہ ظاہر میں لفظ بے ادبی کا بولے اور اس سے کچھ اور معنی مراد لے'' (تقویۃ الایمان ص ۸۰۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

مولانا رشید احمد گنگوہی ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

''یہ الفاظ قبیحہ بولنے والا اگرچہ معانی حقیقیہ مراد نہیں رکھتا معنی مجازی مقصود لیتا ہے مگر تاہم ایہام گستاخی واہانت واذیت ذات پاک حق تعالیٰ شانہ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی نہیں، یہی سبب ہے کہ حق تعالیٰ نے لفظ ''راعنا'' بولنے سے صحابہ کو منع فرمایا اور ''انظرنا'' کا لفظ عرض کرنا ارشاد کیا حالانکہ مقصودِ صحابہ معاذاللہ ہرگز وہ معنی کہ یہود لیتے تھے، نہ تھے مگر ذریعہ شوخی یہود کا اور موہم اذیت و گستاخی جناب رسالت کا تھا لہٰذا حکم ہوا: ''لا تقولوا راعنا و قولوا انظرنا......''

اور علیٰ ہذا حضرات صحابہ کا پکار کر بولنا مجلس شریف میں آنحضرت ؐ میں ہرگز بوجہ اذیت و گستاخی معاذاللہ نہ تھا بلکہ حسب عادت وطبع تھا مگر چونکہ اذیت و بے اعتنائی شان والا کا اس میں ایہام تھا کہ یہ حکم ہوا:

"یـا یهـا الذین امنوا لا ترفعوا أصواتکم فوق صوت النبی و لا تجهروا له بالقول کجهر بعضکم لبعض أن تحبط أعمالکم و أنتم لا تشعرون"

کیا صاف حکم ہے کہ اگر چہ تمارا قصد گستاخی نہیں مگر اس فعل سے "حبط اعمال" تمارے ہوجاویں گے اور تم کو خبر بھی نہ ہوگی۔" (تالیفات رشیدیہ ص ۶۸۷ تحت "لطائف رشیدیہ)

اس توضیح کے بعد مولانا رضوان عزیز کی یہ "روداد" پڑھیں کہ:

مولانا اللہ وسایا کے وجد آفرین خطاب نے تو مجمع پر رقت طاری کر دی۔ مولانا اللہ وسایا عمر کے جس حصے میں ہیں وہاں قانونِ فطرت اپنے جوبن دکھا رہا ہے۔ طبعی عوارض یہ اجازت نہ دیتے تھے کہ عہد گذشتہ کو آواز دے کر وہی حالت شباب کا ساز بجایا جاتا مگر آقا کی محبت جو رگ و ریشے میں رچی بسی ہے اس نے وہ سب کہلوایا جو وقت کا تقاضا تھا، راہروانِ عشق و مستی کے لئے نشانِ منزل تھا۔ مولانا نے کیا خوب فرمایا:

''تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا'' (ماہنامہ لولاک جون ۲۰۱۴ء ص ۵۱)

"تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا'' کی "کافی'' دراصل "دُھا دُھم کُھیا'' اور "تھا تھک تھیا" کے قافیے اور لَے میں "نائٹ کلبوں، سینما ہالوں اور تھیٹروں'' میں زیادہ تر مدہوشی کی حالت میں ناچتے ہوئے ہی گائی جاتی ہے۔

صد افسوس! عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے روح رواں مولانا اللہ وسایا اور مولانا رضوان عزیز جس گھٹیا، بازاری اور انتہائی رکیک و خسیس مصرعہ کو بقائمی ہوش و حواس "حب النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کا مترادف قرار دے رہے ہیں اس سے تو "اہانت نبیؐ" ہی کا پہلو اجاگر ہو رہا ہے اور یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ جو اگر "لاشعوری" طور پر بھی سرزد ہو جائے تو اس پر "حبط اعمال" کا ضابطہ لاگو ہو جاتا ہے۔

راقم الحروف کو کامل یقین ہے کہ جذبہ "حب النبیؐ" سے سرشار کوئی، عالم، کوئی مفتی حتیٰ کہ کوئی مسلمان مولانا اللہ وسایا کے ایک فقید المثال تحفظ ختم نبوت کانفرنس میں کہے گئے اس "مصرعہ" کی تائید و حمایت نہیں کر سکتا۔

(کیوں دھوکہ دیتے ہو؟ جذبہ "حب النبیؐ" سے سرشار ایک مولوی، ایک مفتی، ایک مسلمان پیش نہیں کیا جا سکتا جو یہ کہے کہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے روح رواں مولانا اللہ وسایا صاحب نے بُلھے شاہ کی کافی کا یہ مصرعہ "تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا'' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں صحیح پڑھا تھا۔ راقم الحروف نے غلط کہدیا، قارئین سے معافی کا خواستگار ہے بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ ایک شریف آدمی بھی ایسا پیش نہیں کیا جا سکتا جو مولانا اللہ وسایا صاحب کی تائید کرے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کی محبت میں صحیح "مصرعہ" پڑھا تھا۔)

یہ ملحوظ رہے کہ بین القوسین عبارت میں اختیار کردہ "اسلوب" اور لہجہ خود مولانا اللہ وسایا صاحب کے حویلیاں کے ایک "اہم خطاب" سے ہی مستعار لیا گیا ہے۔

چلئے چھوڑیئے گذشتہ ساری بحث کو۔ آپ "مراقبہ" کی حالت میں "تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا" کا مصرعہ بارگاہ رسالتؐ میں پیش کرنے کا تصور کرلیں۔ سارا معاملہ واضح ہوجائے گا۔

"مراقبہ" کو بھی رہنے دیں آپ کا یہ "اعتقاد" تو ہے ہی کہ جس محفل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہو یا صلوٰۃ وسلام ہو تو فرشتے وہاں کی رپورٹ روضۂ مقدسہ میں پیش کرتے ہیں جب "بنام" یہ رپورٹ پیش ہوئی ہوگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا محسوس فرمایا ہوگا؟ اس کا تصور بھی رونگٹے کھڑے کردینے کے لئے کافی ہے۔

مگر صد افسوس! مولانا اللہ وسایا صاحب، شرکائے محفل اور جن لوگوں نے "لولاک" میں یہ عشقیہ رپورٹ پڑھی معلوم نہیں ان کے ضمیر نے ابھی تک انہیں کوئی "کچوکا" کیوں نہیں لگایا؟ اس بحث کے آخر میں اس شاعر کو خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے جس نے اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا

ہے شان تیری اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ
جو لفظ بھی تیری شان کے شایاں نظر آیا